भारत सरकार
GOVERNMENT OF INDIA
राष्ट्रीय पुस्तकालय, कलकत्ता ।
NATIONAL LIBRARY, CALCUTTA.

U

वर्ग संख्या
Class No. 923.1

पुस्तक संख्या
Book No. Au917 h

रा० पु०/ N. L. 38.

MGIPC—S4—9 LNL/66—13-12-66—1,50,000.

U
923.1
Au 917 h

یہ کتاب اور نیز ہر قسم کی کتابیں کے آر کے مہرا برادرس ؤ چھپو والی لاہور سے طلب کرو

184 C
c

مرقع عالمگیرثانی

عرف

حیات اورنگزیب

مصنفہ

منور خان ساغر اکبرآبادی۔ لٹریری اسسٹنٹ و مترجم بائبل سوسائٹی لاہور

91

جسکو

بعد حصول جملہ حقوق از مصنف

منشی رام اگروال تاجر کتب مہتمم تعلیمی کتب خانہ پنجاب لاہور

کی اجازت سے

حکیم رام کشن بالک کارخانہ جڑی بوٹی پنجاب شاہ عالمی دروازہ لاہور

نے

(37)

سنہ ۱۹۱۲ء میں

راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور میں باہتمام ٹھاکر مدن گوپال چھپوایا

DBA000002143URD

RIAL LIBRARY
2. DEC. 13

عجائب کتب

ہر فن مولا - کتاب روپیہ بنانیکی مشین
ہر فن مولا کا جسقدر شہرہ ہوا ہے اس کی
وجہ یہی ہے کہ اسکا کوئی ہنر ایسا نہیں کہ جس سے
انسان اپنی روزی نہ کما سکتا ہو - اس میں
مشہور و معروف نسخہ **امرت دھارا** بھی
لکھا گیا ہے - فہرست ہزاروں ترکیبوں میں
سے چند حسب ذیل ہیں بال عمر بھر پیدا نہ
ہونیکا مجرب نسخہ - بال اڑانیکا اصلی ولایتی صابن
بال اڑانیکا عرق و پوڈر پانچ منٹ میں بال سیاہ
کرنیکا خضاب - ربڑ کی مہریں - کھانا پکانے کی
ترکیبیں اچار مربہ و چٹنیاں ربڑ کی اشیاء و
پریس دیسی و انگریزی صابون موم کی اشیا
موم بتیاں - بیسیوں قسم کی سیاہی پریس کے
لکھنے کی وغیرہ - ریشم و کپڑا رنگنا عطر و روح
و لیمونیڈ و خوشبودار تیل و نقلی جواہرات وغیرہ
وغیرہ بنانا - غرضیکہ ہزاروں ترکیبیں درج ہیں
قیمت اس نادر و لاثانی کتاب کی صرف
ایک روپیہ (عہ)

سونیکا پٹیرا - یعنی ہر فن مولا حصہ دوم
یہ وہ عجیب و غریب اور مفید عام کتاب ہے
جس میں جاپان کی بہت سی صنعتوں کے مکمل
بیانوں کے علاوہ (جو جاپانی زبان سے ترجمہ
کی گئیں ہیں) کئی انگریزی کتابوں سے مدد لیکر یورپ
کی مفید عام صنعتوں کا مکمل بیان کیا گیا
ہے اور علاوہ ازیں اس میں ہندوستان
کی اُن بیشمار صنعتوں کا بیان بھی کاریگروں
سے دریافت کر کے کیا گیا ہے جنکو آجکل مردہ
صنعت خیال کیا جاتا ہے قیمت ۱۲ر

چلتا جادو - یعنی ایک نہایت مفید اور
پُر اسرار کتاب جسمیں تسخیر کے عمل اور ہمزاد کو
قابو میں لانے کے لئے عام سہل طریقے
اور علم مقناطیسی یعنی مسمریزم کے ابتدائی حالات
اور اس کے ذریعہ امراض کا معالجہ سہل طریقوں
میں بتلایا گیا ہے کارآمد کتاب ہے قیمت
فی جلد صرف آٹھ آنے . (۸ر)

بنگال کا جادو - اسمیں اول سے آخر
تک جنتر منتر سحر و طلسم وغیرہ مندرج ہیں
جو ایک بھی خطا نہیں کرتے جس سے ہر ایک
آدمی دلی تمنا پوری کر سکتا ہے اور دشمن
سے اپنا کام نکال اور بدلا لیتا اور کنار دور
دراز کے آدمی کو بھی اپنی اطاعت میں کر
سکتا ہے اور اس میں چلہ وغیرہ کی تکلیف
نہیں - ہر ایک کام بخوبی انجام ہونے کی
شرط قیمت فی جلد صرف ۱۰ر

IMPERIAL LIBRARY
No. 214⅓
Date 8.9.33
CALCUTTA
184. Ce. 91. 3.27.
923.1
Au 917 h

حیات اورنگزیب

اکبر کی سلطنت اکبر جو مغلیہ خاندان کا تیسرا فرمانروا اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں بڑا صاحب جاہ و جلال اور دور اندیش حکمران گذرا ہے دراصل مغلیہ سلطنت کو انتہائے عروج پر پہنچا دینے والا تھا۔ اُس نے نہ صرف تلوار ہی سے ملک گیری کی۔ بلکہ حکمت عملی سے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور وہاں کے باشندوں کے دلوں کو مسخر کیا ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں میں صرف اکبر ہی ایک ایسا فرمانروا ہوا ہے۔ جس نے یورپین طرز حکومت کی کسی قدر تقلید کی اور جمہوری سلطنت کے اصول کو اپنی سلطنت و حکمرانی کا محمد و معاون بنایا۔ وہ خوب سمجھتا تھا۔ کہ کسی ملک کی حکمرانی اُس ملک کے باشندوں کی شرکت بغیر مستحکم و مضبوط نہیں ہو سکتی۔ اُس کی اس دور اندیشی اور وسیع چشمی کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ مغلیہ خاندان کی حکومت اُس کے عہد میں مغرب میں کابل سے لیکر مشرق میں بنگالہ تک۔ اور شمال میں کشمیر سے لے کر جو کوہ ہمالیہ میں واقع ہے۔ جنوب میں خاندیش تک قائم ہو گئی۔

اکبر کا اصول سلطنت اکبر کی رعایا میں ہندو اور مسلمان دونوں پائے جاتے ہیں مسلمانوں میں شیعہ اور سنی دونوں ہیں۔ ہندوؤں میں پوپ لیلا کے معتقد جینی سکھ۔ کبیر پنتھی۔ شیو جی۔ ست نرائنی وغیرہ ہیں۔ یہ تو اکبر کی رعایا کا مذہب تھا۔ اب اگر اُن کی قومیت کی طرف نگاہ ڈالی جائے۔ تو مسلمانوں میں ایرانی مغل۔ افغان۔ نومسلم۔ تاتاری اور عرب شامل تھے۔ ہندوؤں میں سب سے زیادہ زبردست راجپوت تھے۔ جن سے مسلمانوں نے ہندوستان کی حکومت

حاصل کی تھی - برہمن بقال - کائستھ - کھتری - بنگالی - پنجابی - ہندوستانی مارواڑی سیواڑی - میواتی - گجراتی - وغیرہ وغیرہ سینکڑوں قومیں یا فرقے تھے - ان سبھوں کے رسم و رواج بھی ایک دوسرے سے بہت ہی مختلف تھے اگرچہ اکبر نے اتنی بڑی حکومت چالیس سال کی کوشش و جانفشانی سے قائم کی تھی جس کے لئے اُس کو ایشیائی فرمانرواؤں کی تقلید میں جنگ و جدل و کشت و خون سے بھی کام لینا پڑا لیکن زیادہ تر اُس نے اس اصول پر عمل کیا جسکا ابھی ذکر ہو چکا ہے - اور اپنی رعایا کو باوجود مختلف النسل اور مختلف المذاہب ہونیکے جو اُن کے درمیان باعث منافرت تھے میل و محبت کے مضبوط رشتہ میں باندھ کر اپنی سلطنت کو مستحکم و لازوال بنا دیا۔

اکبر نے وہ طرز سلطنت اختیار کیا تھا - کہ جس کے باعث مشرقی فرمانرواؤں میں اور خصوصاً ہندوستان کے فرمانرواؤں میں وہ اپنا نظیر آپ ہی تھا - بلکہ یورپ کے سیاحوں اور مورخوں نے اُسے یورپ کے فرمانرواؤں کا ثانی قرار دیا ہے اکبر کی پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا - کہ اُس کے بعد کوئی ایک درجن فرمانروا گذرے ہیں جن میں سے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نقص سلطنت کو ضرر پہنچانیوالے پایا جاتا ہے - مگر اُس کی قائم کی ہوئی سلطنت کو بمشکل زوال ہوا - اور بمشکل سے مغلیہ خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوا - اگر اُس کے بعد کے فرمانروا اس کی پالیسی پر کاربند رہتے - تو اُن کی حکومت کو زوال کی رونمائی نصیب نہ ہوتی -

اکبر کی دوراندیشی - اکبر نے تجربہ سے جان لیا تھا کہ ہندوؤں کی وفاداری حاصل کئے بغیر اُس کی سلطنت کو استحکام حاصل نہیں ہو سکتا چنانچہ اُس نے اُن کی عادات و خصائل اور رسم و رواج معلوم کرنے شروع کئے - ہر ملک میں اور خصوصاً ہندوستان میں تو تمام ملکوں سے زیادہ رسم و رواج کی پابندی اور قدر و منزلت کی جاتی ہے - یہاں کے باشندے اپنی دولت اور اپنی جان کو رسم و رواج پر تصدق کر دیتے ہیں - اگرچہ اس وقت مغربی حکومت کا دور دورہ ہے - اور مغربی خیالات سے اہل ہند کے دل و دماغ روشن ہوتے جاتے ہیں - لیکن رسم و رواج کا وہ اثر ہے کہ باوجود اُن کے ترک کرنے کی کوشش کی اُن سے ابتک

خلاصی نہیں ملی۔

جب زمانہ کا رنگ بدلتا ہے تو اُس کے ساتھ ہی اس زمانہ کی ضروریات بھی بدل جاتی ہیں۔ زمانہ کی دسترس سے کوئی شے نہیں بچ سکتی حتیٰ کہ مذہب کو بھی زمانہ کے فیلوسوفوں نے "رفارمر" کہا ہے اور اس کا ہاتھ اس قدر زبردست ہے کہ ہر شے کو گھسیٹ لے جاتا ہے ہر شخص کو اپنے موافق کر لیتا ہے جو لوگ کہ زمانہ سے موافقت کر لیتے ہیں اچھے رہتے ہیں اور اُن کو ہر قسم کی عزت۔ ثروت۔ شہرت۔ آسانی اور آسائش نصیب ہوتی ہے برخلاف اس کے جن لوگوں کو زمانہ سے نفرت ہوتی ہے اور اس سے الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔ وہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو انکا نام و نشان بھی صفحہ دنیا پر سے مٹ جاتا ہے

جس وقت مسلمانوں کی حکومت کا دور آیا۔ تو ہندوؤں کی حالت میں بھی ایک غیر معمولی تبدیلی ہونے لگی۔ اور اُن کے دلوں میں خود بخود اصلاح کا خیال پیدا ہو گیا یہ خیال کوئی دو سو برس تک اُن کے دلوں کو اُبھارتا رہا۔ اور ان کی حالت اور رسم و رواج میں ایک طرح کی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ خداوند عالم نے ساری مخلوق اور کائنات کے انتظام و انصرام کے لئے ایک قانون بنایا ہے جسے قانون قدرت کہنا نہایت ہی موزون ہے جب اکبر سن بلوغ کو پہنچا اور اس نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ تو اُسے محسوس ہوا۔ کہ ہندوؤں میں ایک قدرتی تبدیلی اور اصلاح چپکے چپکے کام کر رہی ہے۔ اُس نے اس اصلاح سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور ایک ایسے مذہب کی بنیاد ڈالنی چاہی۔ جو عالمگیر مذہب ہو اس میں وہ اپنے وزیر ابوالفضل کی مدد اور مشورہ سے ایک حد تک کامیاب بھی ہو گیا جس کے باعث کوتاہ اندیش اور تنگ دل لوگ اُسے لامذہب کہنے لگے۔

اکبر کی تدبیر۔ اس عالمگیر مذہب کو اکبر نے اپنی رعایا میں میل قائم ہونے کا ذریعہ سمجھا۔ اُس نے گوا سے مدرس کیتھولک عیسائیوں کو بلا کر گرجے قائم کرائے۔ ہندوؤں کے مندروں کو نذریں دیں۔ اور اُن کے لئے اوقاف مقرر کئے۔ اسی مذہب کی آڑ میں اُس نے ہندو عورتوں سے شادیاں کیں۔ مگر ان کے مذہب پر دست درازی نہ کی۔ بلکہ اُن کو اُن کی مرضی کے موافق عبادت و پرستش کی اجازت

دی۔ گویا انہیں اُن کے مذہب پر چھوڑ دیا۔ ہندوؤں کو اپنی سلطنت میں بڑے بڑے عہدے اور منصب عطا کئے۔ چنانچہ مجلس وزرا جسے نورتن اکبری کہتے ہیں۔ اس میں راجہ بیربل۔ راجہ ٹوڈرمل۔ اور راجہ مان سنگھ جیسے لوگ بھی شامل تھے یہ سب کچھ اکبر نے ہندوؤں کی وفاداری حاصل کرنے کے لئے کیا۔ جو استحکام سلطنت کے لئے لازمی اور اشد ضروری تھا۔ اکبر نے ہر ایسی بات سے فائدہ اُٹھایا جس سے عوام الناس کا تعلق تھا۔ سارے انسان ایک سا مزاج اور ایک ایسی طبیعت نہیں رکھتے ہیں۔ بلکہ اگر "اختلاف طبایع بشری" کے مسئلہ کو غور سے دیکھا جائے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانوں کی طبیعت میں ایک عجیب قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ کسی ایک خاص معاملہ میں بہت سے لوگ ہم خیال نہیں ہوتے ہیں۔ اکبر کے زمانہ میں بنگالہ کے لوگوں میں ایک عجیب جھگڑا اُٹھا۔ وہاں ایک اور عجیب عارف رہا کرتا تھا۔ وہ ایک رند منش تھا۔ اُسے ہندو، مسلمان اور عیسائی سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بلکہ وہ صوفی تھا۔ اور اپنے خالق و مالک کو ہر رنگ میں دیکھا کرتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہُوا تو ہندوؤں اور مسلمانوں میں جھگڑا ہُوا۔ ہندو اُسے ہندو بتلاتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ ہم اپنے مذہب کی رسم کے موافق اُس کی نعش کو جلائیں گے مسلمان اُسے ولی کہتے تھے اور اس بات پر مصر تھے۔ کہ ہم اسے دفن کریں گے اکبر نے اُنہیں یہ پیغام بھیجا۔ کہ نہ دفن کرو اور نہ جلاؤ۔ بلکہ لاش کو دریا برد کرو مگر اس بات کو دونوں میں سے ایک فریق نے بھی نہ قبول کیا۔ جب باتوں ہی باتوں میں لوگوں میں دست گریباں ہونے کی نوبت پہنچی تو وہ عارف پھر زندہ ہو گیا اور کہنے لگا۔ کہ "اے بیوقوفو جاؤ اپنا کام دیکھو۔ میں اب یہاں مرتا ہی نہیں۔ تم مفت جھگڑا کرتے ہو۔ خدا کی مرضی اور قدرت کو ایک بھی نہیں دیکھتا"۔ اگرچہ یہ قصہ بادی النظر میں قانون قدرت کے بالکل خلاف اور قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن بنگالہ میں اب تک لوگوں میں مشہور ہے ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ وہ درست تھا یا کہ نہ تھا۔ لیکن اکبر نے جو عام انسانوں کے مزاج کا آشنا بننا چاہتا تھا۔ اس موقعہ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا یہ

واقعہ میمو برس آف بنگال مصنفہ ڈاکٹر اسمتھ کے صفحہ ۲۴-۳ - ۵۴۳ میں درج ہے

اکبر کے زمانہ میں اس کے ایجاد کردہ "عالمگیر مذہب" کے اثر سے ہندو مسلمانوں کی اکثر عبادت گاہیں مشترک ہوگئی تھیں۔ ہندوستان میں جابجا مذہبی مقامات پائے جاتے ہیں جہاں پتھر کے ایک ٹکڑے کے اوپر ایک قدم کا نشان بنایا جاتا ہے ہندو تو اُسے "مہادیو جی" کا نقش قدم سمجھتے ہیں اور مسلمان اُسے "قدم رسول" یعنی اپنے نبی محمد صلعم کے قدم کا نقش مانتے ہیں اور دونوں ملکر اب تک اُس کی تعظیم کرتے۔ اور اُس کے آگے سجدہ کرتے ہیں مگر ایسے قدم کی وقعت زیادہ تر جاہل ہندو اور مسلمان کرتے ہیں۔

اکبر عام جلسوں میں بلا تکلف شریک ہوا کرتا تھا جن میں مباحثے با علوم و فنون پر مکالمے ہوا کرتے تھے۔ وہ بڑے شوق سے لوگوں کی تقریریں اور دلیلیں سنتا۔ خود بھی بحث میں حصہ لیتا اور زیادہ تر ایک مصلح یا ثالث کی خدمت کو پورا کرنے کی کوشش کرتا۔ اس سے اُس نے اکثر لوگوں کے دلوں میں جگہ کرلی

الغرض اکبر نے لوٹیریشن برپا کرنا۔ یعنی تمامی باتوں کو برداشتی بنانا چاہا۔

اکبر کا مذہب - اکبر کا عالمگیر مذہب اور اس کا عقیدہ تھا کہ اے خدا میں تجھے ہر مندر ہر مسجد۔ ہر گرجے میں دیکھتا ہوں۔ اور ہر زبان میں تیرا نام سنتا ہوں ہر مذہب اور ہر ملت والے اقرار کرتے اور کہتے ہیں کہ تو ایک ہے۔ اور کوئی تیرا نظیر نہیں۔ میں ہر مذہب والوں کی عبادت گاہوں میں جاتا ہوں۔ گویا تجھے معبد ڈھونڈتا پھرتا ہوں" اگرچہ اس کا عالمگیر مذہب پوری طرح کامیاب نہ ہوا لیکن اُس کی دلی ہمدردی نے جو لوگوں کے ساتھ ظاہر کی گئی۔ سبھوں کو اُس کا گرویدہ بنالیا۔ فی الحقیقت وہ اپنی رعایا کا محبوب۔ مقبول اور منظور نظر تھا۔

اکبر سورج پرستی بھی کیا کرتا تھا۔ وہ سورج کو خدا نہیں بلکہ خدا کا مظہر مانتا تھا۔ دراصل سورج کی آب وتاب جھلکنے و چمکنے اور جاہ و جلال میں خدائے قادر مطلق کا جلوہ اور جاہ و جلال دیکھا کرتا۔ اور یہ سورج پرستی اُس کے عالمگیر مذہب کا ایک رُکن تھی۔

جذیہ معاف کیا گیا۔ اکبر سے پہلے ہندوؤں پر مسلمان بادشاہوں کیطرف سے ایک قسم کا ظالمانہ اور جابرانہ ٹیکس لگایا جاتا تھا۔ اس ٹیکس کو جذیہ کہتے ہیں اور اسے تغلق خاندان کے ایک بادشاہ فیروز شاہ نامی نے ہندوستان میں جاری کیا تھا۔ جو ہندو اسلام قبول کرنا نہ چاہتے تھے۔ اُن سے جذیہ وصول کیا جاتا تھا۔ دراصل یہ ایک قسم کا ظلم تھا جب اکبر نے زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ تو اس نے محسوس کیا۔ کہ جذیہ باعث خرابی ہے اور حاکم و محکوم میں ایک قسم کی مغائرت پیدا کرنے والا ہے۔ لہذا اُس نے جذیہ کو توڑ دیا۔ اور اسطرح بہت سے ہندوؤں کو اپنا مداح اور طرفدار بنالیا۔

اکبر کی کشادہ دلی اکبر سارے بنی نوع انسان کو یکساں سمجھتا تھا۔ نہ کسی کو پاک اور نہ کسی کو ناپاک کسی کو کمتر اور نہ کسی کو برتر جانتا تھا۔ سب سے کھلے دل اور حسن سلوک پیش آتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس نے ایک مجلس تفریح قائم کی تھی جسمیں عجیب ظرافت آمیز باتیں ہوا کرتی تھیں۔ جو اکثر تہذیب کے پایہ سے گری ہوئی اور شاہانہ مجلس کے قابل نہ ہوتی تھیں۔ بیربل اور ملا دوپیازہ کے لطائف کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر فحش مضامین پر گفتگو ہُوا کرتی تھی لیکن اس کا یہ عمل محض لوگوں کے دلوں کی تسخیر کے لئے جاری کیا گیا تھا اس مجلس تفریح میں اکثر بذلہ سنجوں کو باریابی کا موقعہ دیا جاتا تھا۔

اکبر نے پبلک سروس کا قاعدہ جاری کیا۔ جیسا کہ اسوقت برٹش گورنمنٹ میں جاری ہے۔ اُس نے اپنی ملازمت میں ایرانی شیعوں، کٹر افغانیوں سنی مغلوں اور ہندوؤں کو داخل کیا اور ہر ایک کو برابر برابر رتبے عطا کئے۔ جس کو جیسا قابل پایا۔ اُسی کے موافق اُس کو منصب عطا کیا۔

اکبر نے اپنے ہاں منصبداری کا سلسلہ بھی ایجاد کیا۔ لیکن خدمتگذاری کی شرط پر نہیں۔ بلکہ آزادی کی شرط پر۔ منصبداری جسے یورپ کے قدیم زمانہ میں فیوڈرل سسٹم کہتے تھے۔ یہ تھا۔ کہ ضرورت کے وقت بڑے بڑے امرا فوج اور روپیہ سے اپنے بادشاہ کی امداد کریں اور اسے برائے نام کچھ خراج دیتے رہیں۔ بادشاہوں کی اس کے سوا اُن سے اور کچھ غرض نہ ہوتی تھی۔ بلکہ منصبدار

اپنے دائرہ حکومت کے مطلق العنان اور خود مختار مالک و فرمانروا ہوتے تھے لیکن اکبر نے اس اصول منصبداری میں ایک اصلاح کردی۔ منصبدار در اصل اُس کی سلطنت کے ملازم ہوا کرتے تھے۔ بہت سے بڑے بڑے عہدہ داروں کو مختلف قسم کے منصب عطا کئے جاتے تھے جن کے اخراجات کیلئے جاگیریں دی جاتی تھیں۔ جو اکثر پشتینی ہوگئیں۔ اور ایک ہی شخص کے خاندان میں پشت در پشت منتقل ہونے لگیں۔ یہ منصبدار ضرورت کے وقت نہیں بلکہ ہر وقت بادشاہ کی خدمتگذاری کے لئے موجود رہتے تھے حالانکہ بادشاہ کیطرف سے منصبداری کے صلہ میں کوئی خدمتگذاری لازمی نہیں کی گئی تھی صرف عہدہ داری کی خدمت ضرور لازمی تھی جس کے لئے اُن کو علیحدہ معقول تنخواہ دیجاتی تھی۔ منصبدار بالکل آزاد تھے۔ البتہ دربار شاہی میں اُنہیں ضرور مجرا دینا پڑتا تھا۔

اکبر کی بیدار مغزی۔ اکبر اپنی سلطنت کے افسران مالگذاری اور حکام عدالت کی بڑی سختی کیساتھ نگرانی کیا کرتا تھا۔ رشوت لینا مشرقی ممالک کے لوگوں کا خاصہ ہے اور اس کے لئے وہ اپنے محکوم لوگوں پر بڑے بڑے ظلم کرتے ہیں۔ اکبر کا منشاء تھا۔ کہ کوئی کسی پر ظلم وجبر نہ کرے۔ اپنے منصب سے تجاوز نہ کرے۔ اراکین سلطنت اپنا کام دیانتداری سے کریں۔ اور رعایا کو امن چین نصیب رہے جس بادشاہ کی رعایا کو امن چین ملتا ہے۔ اسکے ملک میں مرفع الحالی نظر آتی ہے۔ جب رعایا دلشاد ہوتی ہے۔ تو ملک آباد اور دولت کی زیادتی ہوتی ہے۔ اور فرمانروا کی سلطنت کو خود بخود استحکام حاصل ہوجاتا ہے۔

الغرض اکبر نے اپنی سلطنت کو استحکام دینے کیلئے ایک نہایت عمدہ اور بے ضرر حکمت عملی اختیار کی جس میں ہر طرح رعایا کی تالیف قلوب کی جاتی تھی در رعایا کی بہبودی مد نظر تھی۔ اُس نے جتنی باتیں اس حکمت عملی کی ممد و معاون بنائی تھیں۔ اُن سب کی غرض و غایت یہی تھی۔ کہ اس کی سلطنت کو مضبوطی حاصل ہو جسکا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اُس کی رعایا دل و جان سے اُس کی خدمت و امداد کرتی۔ اور اُس کی خاطر سر کٹاتی رہی۔

اکبر کے جانشین اکبر کے جانشین جہانگیر اور شاہجہان نے ایک معنی میں تو اکبر کی حکمت عملی پر ضرور عمل کیا۔ کہ اُنھوں نے حتی الامکان سلطنت میں ظلم و جبر کو روا نہ رکھا

شاہجہان کی دور اندیشی شاہجہان نے اسی حکمت عملی کے متعلق ایک بڑی دور اندیشی برتی۔ مغلوں میں ایک عجیب نامبارک رسم چلی آتی تھی۔ کہ مرتے ہوئے باپ کی آنکھیں اپنے بیٹے یا دوسرے حقدار جانشین کی بغاوت کا منظر دیکھتیں۔ ہلاکو خاں سے لے کر مغلوں کے مختلف خاندانوں میں جو مختلف ملکوں میں حکمران تھے۔ آخیر بادشاہ تک یہ رسم جاری رہی۔ شاذ و نادر ہی ایسا واقع ہوا ہوگا کہ کسی حکمران کو یہ نامبارک رسم اپنی وفات کے وقت نہ دیکھنا پڑی ہو۔ اسلئے شاہجہان نے اس رسم کو مٹانے کی کوشش کی۔ بابر ہندوستان کے مغلیہ خاندان کا بانی تھا جس کے اتفاق سے اُس کے ایک ہی بیٹا ہوا۔ ہمایوں کے اکبر پیدا ہوا۔ اکبر کے بعد جہانگیر کا دور آیا۔ اور جہانگیر کے بعد شاہجہان کا مگر شاہجہان کے بعد اُس کے چار بیٹے جائز وارث ہونے والے تھے۔ ایک تو مغلوں میں وہ نامبارک رسم جاری تھی جسکا ابھی ذکر ہو چکا ہے۔ دوسرے مشرقی ممالک میں اس سے بھی بڑھ کر یہ رسم پائی جاتی تھی۔ کہ بادشاہ کے بعد حقداران تاج و تخت میں ضرور جنگ و جدل کا بازار گرم ہوتا تھا۔ اگرچہ بادشاہ کی زندگی میں ایک شخص اسکا جانشین نامزد کر دیا جاتا تھا لیکن خواہ کوئی شخص نامزد کیا جاتا۔ یا نہ کیا جاتا تاہم بادشاہ کی وفات پر حقداروں میں میدان کارزار میں کشت و خون ضرور ہوتے تھے۔ اور جو سب پر غالب آجاتا۔ وہی مالک تاج و تخت قرار دیا جاتا۔ خود شاہجہان نے اپنے باپ جہانگیر کے ساتھ بغاوت کی تھی۔ اور اُسے کھٹکا تھا۔ کہ اُسے بھی ایک نہ ایک دن یہ دن دیکھنا پڑیگا۔ اس لئے اُس نے اپنے چاروں بیٹوں کو پایہ تخت سے دور چار صوبوں کی گورنری پر مقرر کر دیا۔ تاکہ اُن میں حسد و رقابت نہ بڑھے۔

شاہجہان کے چار بیٹے دارا شکوہ جس نے ۱۶۵۹ء میں انتقال کیا شجاع ۱۶۶۷ء میں فوت ہوا۔ اورنگزیب جو ۳ نومبر ۱۶۱۸ء کو پیدا ہوا۔ جولائی

۱۶۵۸ء میں تخت نشین ہوا اور ۴ مارچ ۱۷۰۷ء کو فوت ہوا۔ مراد بخش جو دسمبر ۱۶۶۱ء میں فوت ہوا۔

شاہجہان کی دور اندیشی کام نہ آئی۔ اگرچہ شاہجہان نے اپنی وفات پر بیٹوں کی باہمی جنگ و جدل کو مٹا دینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کوشش میں ناکامیاب رہا۔ بھلا جو بات کہ انسان کے ضمیر اور فطرت میں داخل ہو جاتی ہے۔ وہ طبیعت ثانیہ بنکر ضرور اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اس لیئے شاہجہان کو اس کی زندگی ہی میں وہ برا دن دیکھنا نصیب ہوا۔ جس کا اُسے کھٹکا لگا ہوا تھا۔ بیٹوں میں تاج و تخت کے لیئے خوب جنگ ہوئی۔ ہزاروں جانیں تلف ہو گئیں خون کے دریا بہے۔ ملکی چالیں کھیلی گئیں۔ آخرش تین بیٹے اپنے بیٹوں کا خود شکار ہوئے۔ اور اورنگزیب کو تخت و تاج نصیب ہوا۔

مغلوں کی کیفیت شاہجہان کے وقت میں مغل جو تاتاری قوم سے ہیں۔ وہ اصل بڑے جنگجو تھے۔ میدان کارزار انکی بازی گاہ تھا۔ لڑائی اُن کے لیئے اک لہلاؤ تھا۔ ہلاکو خاں۔ چنگیز خاں۔ تیمور لنگ۔ خان اعظم قبلائی خاں اسی قوم میں گذرے ہیں۔ ایشیا میں ایک زمانہ میں اسی قوم کا دور دورہ تھا قریب قریب سارا ایشیا انکے زیرنگین تھا۔ اگر ہم بارھویں صدی عیسوی کے ایک سیاح مارکوپولو ساکن اٹلی کے سفرنامہ کی ورق گردانی کریں تو صاف عیاں ہوتا ہے۔ کہ قبلائی خاں کے عہد میں مغلوں کی سلطنت ایشیائے کوچک سے لیکر چین تک۔ اور سائبیریا کی جنوبی حدود سے لیکر برہما اور بنگالہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ صرف شمالی اور جنوبی ہند اور سائبیریا کا اجاڑ ملک اُن کی حکومت سے باہر تھا۔ یہ قوم تیراندازی میں اپنا نظیر نہیں رکھتی تھی۔ اُس کا طریق جنگ وہ نہیں تھا۔ جو رومیوں کا تھا۔ اور جسپر آج تک یورپ کی قومیں کاربند ہیں۔ کیونکہ اُسی اصول جنگ کی بدولت یورپ کی اقوام نے میدان کارزار میں بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ رومیوں کا اصول جنگ یہ تھا۔ کہ پھوٹ ڈالو اور فتح کرو۔ یعنی دشمن کی سپاہ میں کسی طرح نااتفاقی پیدا کر کے اُن کی مجتمع طاقت کو منتشر کر دیا جائے تو بس اُن پر

فتح حاصل ہو جائیگی۔ لیکن تاتاریوں کا اصول جنگ یہ تہا کہ مقابلہ کرو اور غالب آؤ۔ اس لئے مغل میدان جنگ سے کبھی ہٹتے ہی نہ تھے۔ اور اُن کے اس استقلال کا یہ نتیجہ ہوتا تھا۔ کہ میدان کارزار اُنہی کے ہاتھوں رہتا تھا۔ دشمن کو انکا لوہا ماننا پڑتا تھا۔ گویا شیخ سعدی نے ذیل کا شعر مغلوں ہی کے خصائل جنگ کے بیان میں لکھا ہے ؎

آں نہ من باشم کہ روزے جنگ بینی پشت من
آں منم کاندر میانے خاک و خوں بینی سرے

اس موقعہ پر ہم مغلوں کی سخت جانی کے ثبوت میں مارکوپولو کے سفرنامے مصنفہ ومرتبہ کرنیل یول صاحب جلد اول صفحہ ۸ ، ۷ ، ۵ سے اقتباس کرتے ہیں یہ مغل جو در اصل تاتاری قوم کے لوگ ہیں اُن کے اسلحہ جنگ بڑے اچھے ہوتے ہیں جنگ میں وہ تیر و کمان تلوار اور برچھے استعمال کرتے ہیں۔ دنیا میں سب سے اچھے تیرانداز ہیں۔ اور بڑے اچھے سپاہی اور سوار ہیں۔ دوسری قوموں کی نسبت وہ زیادہ سخت جان ہوتے ہیں۔ مہینوں تک صرف دودہ اور شکار کے گوشت پر گذارہ کر سکتے ہیں۔ فتوحات ملکی کے لئے تاتاریوں سے بہتر اور کوئی قوم نہیں ہے جب وہ کسی دور دراز مہم پر جاتے ہیں۔ تو دودہ یا پانی کے لئے دو بوتلیں چمڑے کی، مٹی کا ایک برتن کھانا پکانے کیلئے اور ایک چھوٹا سا خیمہ مینہ سے بچنے کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ضرورت کے وقت وہ دس دس دن تک سوار چلے جاتے ہیں۔ اور کھاتے پیتے نہیں۔ ایسے موقعوں پر وہ اپنے گھوڑے کی رگ کھولکر خون سے شکم پروری کر لیتے ہیں۔ وہ دودہ سے ایک قسم کی شربت بناتے ہیں جسے وہ کمیفر یا کومغن کہتے ہیں۔ وہ اسطرح بنائی جاتی ہے کہ دودہ کو اوبالی کر بالائی دور کر دیتے ہیں۔ اور باقی دودہ کو دہوپ میں خشک کر لیتے ہیں۔ جب کسی مہم پر جاتے ہیں۔ تو اس سوکھے دودہ کو سیر دو سیر کی مقدار میں ہمراہ لے جاتے ہیں جب وقت بھوک لگتی ہے۔ وہ تھوڑا سا ٹکڑا لے کر بوتل کے پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ جب وہ گھل جاتا ہے تو اسے پی لیتے ہیں۔ اور اسی غذا پر ہفتوں گذارہ کر لیتے ہیں۔" اُن کا

طریقِ جنگ بھی بڑا عجیب اور اُن کے لئے مفید ہے۔ وہ جتھہ باندھکر نہیں لڑتے۔ بلکہ چکر لگاتے اور دشمن پر تیروں کا مینہ برساتے رہتے ہیں بعض اوقات لڑتے لڑتے جھونٹ موٹ بھاگ نکلتے ہیں۔ دشمن سمجھتا ہے کہ وہ ہار گئے۔ مگر بھاگتے وقت وہ پھرتی سے زین پر پیچھے کو منہ کر کے تیروں کی بوچھاڑ کرتے جاتے ہیں جب وہ بہت سے لوگوں کو قتل کر لیتے ہیں تو جتھہ باندھ کر حملہ کرتے اور نعرے لگاتے جاتے ہیں اور تھوڑی ہی دیر میں میدان جیت لیتے ہیں۔

خیر گڑے ہوئے مردے اکھاڑنے سے کیا فائدہ ہم خود بابر کے خصائل کو کیوں نہ لیں جس کی زندگی کے حالات اور واقعات اہل ہند کے دلوں میں تازہ ہیں۔ بابر کو بیس سال جنگ و جدل میں گزارنا پڑے۔ اس عرصہ میں جتنے دریا لڑائیوں کے اُس کے سامنے آئے وہ اُن سب کو تیر کر عبور کر گیا مگر شاہجہان کے زمانہ میں مغلوں کے خصائل بالکل بدل گئے تھے۔ جہانگیر کی شراب خوری اور عیش پرستی نے وہ بُرا اثر پیدا کیا۔ کہ سارے مغل عیش پرست بن گئے۔ اُن میں بابر کی سی جرأت نہ رہی یہاں تک کہ شاہجہان اور پھر اورنگزیب کے زمانہ میں مغل سپہ سالار بجائے ہاتھی اور گھوڑے کی سواری کے جنگ میں پُر تکلف لباس زیب تن کر کے اور پالکیوں میں سوار ہو کر جانے لگے۔ گویا ایک طرح اُن کی طبیعتوں میں وہم پرستی اور حیلہ جوئی سما گئی۔

اورنگ زیب کی پہلی غلطی۔ اورنگ زیب کی پہلی غلطی جو مغلیہ خاندان کے زوال کی ابتدا کہی جا سکتی ہے یہ تھی۔ کہ اُس نے راجپوتوں سے قطع تعلق کر لیا۔ اگر وہ چاہتا۔ تو ان کمزور مغلوں کی جگہ سخت جان راجپوتوں سے فوجی کام لے سکتا کیونکہ راجپوتوں میں اُس کے زمانہ تک اور نیز اُس کے بعد تک بھی اُن کے اسلاف کے جنگی جوہر پائے جاتے تھے۔ راجپوت اپنے مذہبی ڈھکوسلوں اور رسم و رواج کے مقابلہ میں جان و مال کو تصدق کر دیتے تھے۔ اگر اورنگ زیب اپنے مورث اکبر کی مانند راجپوتوں کے مذہبی اور ملکی رسوم کی عزت و لحاظ کرتا۔ تو راجپوت اُسی طرح اُس کے وفادار اور جان نثار بنے رہتے جسطرح کہ اکبر کے بنے رہے

تھے۔ لیکن اورنگ زیب کو یہ امر ہرگز گوارا نہ ہوا۔

اکبر کی ایجاد کردہ رسم منصب داری کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ صوبوں کی گورنری ایک ہی خاندان میں منتقل ہونے لگی۔ گویا زور آوروں نے دوسرونکے حقوق اور منصب غصب کر لئے۔ اور صوبوں نے یہانتک لوگوںپر قدرت حاصل کر لی کہ بادشاہِ وقت بالائے طاق دھر دیئے گئے۔ دراصل صوبہ ہی بادشاہ سمجھا جانے لگا وہی اپنے دائرہ حکومت کا مطلق العنان مالک و مختار مانا جاتا تھا۔ مغلوں میں یہ طاقت کہاں تھی۔ کہ اس وبا کو ملک بدر کر سکتے۔ وہ تو عیش و عشرت کے غلام بنے ہوئے تھے جس نے اُن کے جسمانی۔ اخلاقی اور عقلی قولے کو بالکل خراب کر دیا۔ اُن میں آفات اور مصائب کے مقابلہ کی سکت باقی نہ رہی تھی۔ یہ رسم ہی ایک طرح مغلیہ خاندان کے زوال کا باعث ہوئی۔ اگر اورنگ زیب راجپوتوں سے میل رکھتا۔ تو اُن کی مدد سے اس رسم کو بھی مٹا سکتا تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر کے لقب کا مستحق نہ تھا۔ مسلمان بادشاہوں میں رسم ہے کہ وہ پیدائشی نام کے علاوہ ایک اور نام سن جلوس کیوقت رکھتے ہیں۔ اکثر سن جلوس کے نام ہی سے اُن کی شہرت ہوگئی ہے اور اصلی نام کو کوئی جانتا تک بھی نہیں چنانچہ جب اورنگ زیب تختِ شاہی پر متمکن ہوا۔ تو اُس نے اپنا لقب "عالمگیر" رکھا جس کے معنی ہیں دنیا یا عالم کو قابو میں کرنے والا۔ اگر "عالمگیری" تلوار کی فتوحات کا نام ہے تو نپولین بونا پارٹ۔ سلطان بایزید خاں یلدرم سکندر اعظم۔ شارلیمین۔ ملکہ وکٹوریہ۔ چنگیز خاں۔ تیمور لنگ۔ تبلائی خاں وغیرہ وغیرہ وغیرہ میں سے ہر ایک "عالمگیر" کے لقب کا مستحق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ملکی فتوحات کے لحاظ سے اورنگ زیب تو اُن کی گرد کو بھی نہیں پہنچا کیونکہ اسے ہر جنگی مہم میں ناکامی ہوئی۔ بلکہ وہ اپنے بزرگوں کے ملک کو بھی نہ محفوظ رکھ سکا۔ مگر ہمارے خیال سے فتوحات کا نام عالمگیری نہیں ہے۔ سچا عالمگیر وہی ہے۔ جو دلوں کو تسخیر کرتا ہے۔ کیونکہ کسی بڑے زبردست حکیم کا قول ہے کہ حکومت زمانوں پر حکمرانی کرتی ہے مگر محبت دلوں پر۔ اگرچہ سکندر بالااعظم اور نیز دیگر بڑے بڑے فرمانرواؤں میں سے اکثروں نے محبت

کو ایک حد تک نبھایا۔ لیکن ہمارا عالمگیر تو محبت کے نام سے بھی آشنا نہ تھا۔ ہم آگے چلکر دیگر واقعات اور وجوہات سے بھی یہ نتیجہ نکالینگے کہ اورنگزیب نے اپنے کو عالمگیر کے معزز لقب کا مستحق نہیں ثابت کیا بلکہ اُس کا ضد۔

اورنگزیب کا جانشین ۔ اورنگزیب کے بعد اُس کا بیٹا معظم شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے تخت شاہی پر رونق افروز ہوا وہ ۱۶۴۳ء میں پیدا ہوا ۱۷۰۷ء میں تخت شاہی پر متمکن ہوا اور ۱۷۱۲ء میں فوت ہوا۔

شاہجہان کے بیٹوں کے خصائل شاہجہان کا سب سے بڑا بیٹا داراشکوہ تھا۔ وہ طبیعت کا فیاض اور مزاج کا مہربان تھا مذہبی خیالات کے لحاظ سے وہ برہمنوں اور عیسائیوں کا بھی معتقد تھا اُس نے ایک رسالہ دینیات پر لکھا تھا جسمیں مختلف مذاہب کا آپسمیں مقابلہ کر کے یہ نتیجہ نکالا تھا۔ کہ کفر و اسلام دونوں توأم ہیں اگرچہ یورپ کے مؤرخوں نے داراشکوہ کے مذہبی خیالات پر اعتراض کئے ہیں کہ اُس کی رائے مذہب کے بارے میں متزلزل تھی لیکن داراشکوہ کے طرز عمل۔ چال وچلن اور خیالات سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ وہ استحکام سلطنت کیلئے ہر ضروری بات کو روا رکھتا۔ وہ اکبر کے قدم بقدم چلتا جاتا تھا۔ اگر وہ وارث تاج وتخت ہوتا۔ تو یقین کیا جاتا ہے کہ مغلیہ خاندان کی حکومت کو ہندوستان میں اس قدر جلد زوال کی رونمائی نہ ہوتی جس قدر جلد کہ اورنگ زیب کے ہاتھوں سے تباہی آئی۔

شجاع ۔ تیز فہم اور دور اندیش چست وچالاک اور بہادر تھا اُسے ہندو سرداروں پر مہربانی ڈالنی آتی تھی۔ اُس نے مارواڑ کے راجہ جسونت سنگھ کو جو اُس زمانہ میں سرآمد راجگان ہند کہلاتا تھا۔ اپنا حامی مددگار بنا لیا تھا۔ وہ ایرانیوں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے اپنے کو شیعہ کہا کرتا تھا لیکن اُسکی ذات میں سب سے بڑا نقص یہ تھا۔ کہ وہ عیش پرستی کو اپنا شعار سمجھتا تھا۔ وہ زنان خانہ کے اندر جاکر متعدد بیویوں میں رات رات اور دن دن بھر رقص و سرود اور مے نوشی میں گزار دیتا تھا اس لئے کاروبار سلطنت میں اکثر ابتری واقع ہوتی تھی اور یہ سچ بھی ہے۔ کہ جو بادشاہ بذات خود اپنی رعایا میں نہیں آتا۔

خود اُن کے معاملات کی سماعت نہیں کرتا۔ وہ حکومت ہی نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں میں ایک خلیفہ گذرا ہے جسکا نام منصور تھا۔ اُس میں ایک یہ خوبی تھی کہ جب تک کسی مہم کو فتح نہیں کر لیتا تھا۔ عورت کا منہ نہیں دیکھتا تھا۔ عورت کی ذات بڑی موہنی ہے اور مرد کا کام دلو بڑا سرکش ہے۔ ان دونوں میں لاگ ہے جیسی کہ آگ کو پھونس سے۔ بھلا جو شخص دن پھر یا رات بھر عورتوں میں بیٹھیگا وہ انسانی جامہ اور خواص میں کیسے رہ سکیگا۔ ایکاش شجاع خلیفہ منصور کی تقلید کرتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ شجاع اپنے مورد عنایات کو خلعت اور انعامات دینے کا بھی عادی تھا۔

مراد سب سے چھوٹا۔ مگر شیر مرد بے باک اور نڈر تھا کسی خطرے کو خیال میں بھی نہیں لاتا تھا۔ میدان جنگ میں اُس کی دھاک بندھ جاتی تھی۔ اور دشمن اُس کا لوہا مان جاتے تھے۔ دراصل وہ سپہ سالاری کے لائق تھا۔ لیکن امور سلطنت میں اُس کی عقل بھدّی تھی۔ ایسے امور سلطنت سے مَس ہی نہ تھا۔ مزید براں وہ شرابی پرلے درجہ کا تھا۔ خم کے خم لنڈھایا کرتا تھا۔ شراب میں ہر وقت مست و مخمور اور چور رہتا تھا۔ گویا شراب خانہ خراب اُس کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ شراب کے نشہ میں حافظ شیرازی کے ان شعروں کو جھوم جھوم کر پڑھا کرتا تھا ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را خاک بر سر کن غم ایام را

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں ما نمی خواہیم ننگ و نام را

اورنگ زیب۔ عاقل و مردانہ۔ صاحب حوصلہ۔ مدبّر۔ کوتاہ اندیش عیار ظاہر کا صاف اور باطن کا گندہ۔ گویا گندم نما اور جو فروش کی سچی مصداق و مثال تھا۔ وہ مذہبی خیالات میں دیوانہ تھا۔ اُسے بہشت بریں میں داخل ہونے کی لو لگی رہتی تھی۔

بیگم جہاں آرا و بیگم روشن آرا شاہجہان کے محل کے اندر یہ دو بیگم بڑی بارسوخ تھیں بیگم جہاں آرا کا شاہجہاں کے اوپر زیادہ زور تھا۔ اُس نے شاہجہان کی بڑی خدمت کی تھی اور خصوصاً اُس کے آخری ایّام علالت میں

وہ دارا شکوہ کی بڑی حامی و مددگار تھی - برعکس اس کے بیگم روشن آرا دارا شکوہ اور شجاع دونوں سے حسد رکھتی تھی - وہ اورنگ زیب کی مددگاری میں ہردم مستعد رہتی تھی اور دربار کا ذرا ذرا سا حال اورنگ زیب کو لکھ بھیجتی تھی - ان دونوں بیگموں نے شاہجہان کے آخری ایام میں اور اس کی وفات کے بعد بھی دارا شکوہ اور اورنگ زیب کی تخت نشینی میں بڑی مدد کی -

اورنگ زیب کی ولادت - اورنگ زیب ۲۴ نومبر ۱۶۱۸ء میں مالوہ کی سرحد پر مقام دوحد میں رات کے وقت پیدا ہوا - اُس وقت اُس کا باپ شاہجہان صوبہ دکن کی گورنری پر تعینات تھا -

شاہجہان کی بغاوت شاہجہان نے اپنے باپ جہانگیر سے بغاوت کی - مگر بعد میں اس شرط پر صلح کُل ہوگئی - کہ شاہجہان اپنے دو بیٹے یعنی اورنگ زیب اور دارا شکوہ یرغمال بنا کر آگرہ کے دربار میں بھیجدے

یہی وجہ ہے کہ ان دونوں شہزادوں کو امورِ ملکی میں بڑا ملکہ حاصل ہوگیا تھا دربار شاہی کی حاضری میں ہردم اُن کی نگاہوں کے سامنے امورِ مملکت ہی پیش رہتے تھے - اورنگ زیب جب تک نورجہاں کی حاسد آنکھوں کے سامنے اپنے دادا کے دربار آگرہ میں تھا - اُس وقت اُس کا کوئی صحیح حال معلوم نہیں - کہ اُسے کسطرز پر گذر اوقات کرنی پڑی - اُس کے ساتھ کیا کیا سلوک ہوئے - مگر یہ امر تو یقینی ہے - کہ اُسے دربار سے قرب حاصل رہا -

اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت - اورنگ زیب کو جیسی کہ مشرقی ممالک کی رسم ہے قرآن و حدیث اور عربی زبان میں صرف و نحو کی تعلیم دی گئی - جو مشرقی ملکوں میں دینداری کی تعلیم سمجھی جاتی ہے - اُسے فارسی میں اچھی لیاقت حاصل ہوگئی تھی - اگرچہ وہ نظم کا بڑا شائق نہ تھا - مگر اچھے شعر کہ لیتا تھا - تاہم نثر کا دلدادہ تھا - خود بھی بہت اچھی نثر لکھ لیتا تھا - اُس کی فارسی کی نثر جس کا نمونہ رقعاتِ عالمگیری ہے - ہندوستان میں مقبولِ عام ہے - مذہبی تعلیم کے لحاظ سے جس کی طرف اُس کا میلِ خاطر زیادہ تھا وہ مسلمانوں میں پابندِ شرع اور صوفی

تھا۔ اُس نے شرع میں ایک کتاب لکھی ہے جسے "فتاوے عالمگیری" کہتے ہیں اورنگزیب کی کاروباری زندگی کی ابتدا دکن کی گورنری سے ہوئی۔ اورنگزیب ابھی ۲۴ کا بھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ وہ دکن کی گورنری پر مامور کیا گیا۔ اور اُس کے زمانہ کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقبیٰ کا بہت ہی مشتاق تھا۔ بلکہ ۱۶۴۳ء میں جب وہ ۲۵ سال کی عمر کو پہنچا۔ تو اُس نے دنیا سے دست بردار ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ اور مشرقی گھاٹ میں ایک جگہ گوشہ نشینی اختیار کر کے مسلمان فقیروں یا عارفوں کی سی زندگی بسر کرنے لگا۔ اُس کی اس حرکت سے اُس کا باپ شاہجہان بےحد ناخوش ہوا۔ کیونکہ اُس کے خیال کے موافق اسکا اثر دوسرے بیٹوں پر بھی پڑتا تھا۔ جو سلطنت کے لئے سخت مضر تھا۔ بھلا گوشہ نشینی اور ملک داری سے کیا نسبت؟ اسلئے اُس نے اورنگزیب کی تنخواہ بند کر کے اس کی املاک ضبط کر لی۔ اور اسے گورنری سے علیحدہ کر دیا۔ اگرچہ بظاہر اس تمام زہد تقوے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اورنگزیب خدا پرستی پر مائل تھا۔ لیکن غائر نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے تخت حاصل کرنے کی ابتدائی بنیاد اس گوشہ نشینی کے پردے میں ڈالی جسکا اظہار آگے چل کر خود اُس کے طرز عمل اور اس سلوک سے ہوتا ہے۔ جو اُس نے اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنے باپ کی وفات پر تخت و تاج کی جنگ میں کیا تھا۔

خیر ایک سال تو اورنگزیب نے اسی حالت میں کاٹ دیا۔ لیکن جب اُسے اچھی طرح معلوم ہو گیا۔ کہ اُس کی گوشہ نشینی سے درست اُس کے کام نہیں آسکتی تو اُس نے اُسے سلام کیا اور اپنے باپ کی حکم برداری پر آمادہ ہو گیا اور صوبہ گجرات کی گورنری کرنے لگا۔ اور اس کے ایک سال بعد جنگ میں سب سے آگے نظر آیا۔ اگر فی الحقیقت وہ عارف صوفی یا خدا پرست ہوتا تو باپ کے غصے اور ناخوشی کی اُسے مطلق پرواہ نہ ہوتی اور وہ اپنے مطلب سے ہرگز ہاتھ نہ اُٹھاتا۔ بھلا خدا پرست طبیعتوں پر کسی کی ناخوشی، حکم یا دباؤ غالب آسکتے ہیں

اورنگزیب کا منصبداروں میں شامل کیا جانا ۱۶۴۷ء میں شاہجہان نے اورنگزیب کو پندرہ ہزار پیادوں کا منصب عطا کیا اور اس کے بعد ہی اُسے صوبہ بلخ و بدخشاں کی گورنری پر مامور کیا۔ جو اس سے کچھ ہی پہلے فتح کئے گئے تھے۔

بلخ و بدخشاں کے صوبے بابر کی میراث تھے۔ شاہجہان کی لو لگی ہوئی تھی۔ کہ ان صوبوں پر اپنا سکہ بٹھانے کے بعد سمرقند کو فتح کرے۔ جو اُس کے جد امجد تیمور لنگ کی سلطنت کا پایہ تخت رہ چکا تھا اور اس کے زمانہ میں خاندان اُزبک کے قبضے میں تھا

جب اورنگزیب بدخشاں پہنچا۔ تو اُسے معلوم ہوا۔ کہ کوہستانی اقوام جو نہایت سخت جان اور سرکش تھیں راہ سے وہاں حکمرانی نہیں کرنے دیتیں اس لئے خاندان اُزبک سے جو وہاں فرمانروا تھا۔ کچھ قرار و مدار کر کے اورنگزیب وہاں سے لوٹ آیا۔ مگر راستہ میں کوہستانیوں سے مٹ بھیڑ ہو ہی گئی۔ جنھوں نے اورنگزیب کی بہت سی فوج کاٹ ڈالی اس مہم میں کوئی ۳۰ لاکھ روپیہ صرف ہوا

قندھار کے لئے جنگ جس وقت ہندوستان میں مغلیہ خاندان کی حکومت تھی قندھار اور ہرات میں ایرانی خاندان دُرانی کی ۱۶۳۷ء میں ایرانیوں کا گورنر علی مردان اُن سے پھر گیا۔ اور اُس نے صوبہ قندھار جو اُس کی گورنری میں تھا مغلوں کے حوالے کر دیا۔ علی مردان نے شاہجہان کی بہت سی جنگوں میں بیحد مدد کی۔ نہر جو شہر دہلی میں سے ہو کر گذرتی ہے۔ وہ علی مردان کی یادگار اور کھدوائی ہوئی ہے۔ ایرانیوں کو صوبہ قندھار نکل جانے پر بڑا قلق ہوا۔ اُنھوں نے اپنے رفیقوں سے مدد لے کر ۱۶۴۸ء میں قندھار کا محاصرہ کر لیا۔

اورنگزیب معہ وزیر سعد اللہ علامی اور راجہ جسونت سنگھ اور اُس کی راجپوت سپاہ کے قندھار کو خلاصی دینے کی غرض سے روانہ کئے گئے۔ مغلوں کی فوج میں ۶۰ ہزار سوار اور ۱۰ ہزار پیادہ اور ایک توپ خانہ تھا۔ مگر مغلوں کی فوج کے پہنچنے سے پہلے ہی ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا تھا۔ ماہ مئی ۱۶۴۹ء میں لڑائی شروع ہوئی اور قلعہ اُڑانے کیلئے سرنگیں کھودی گئیں

گئیں۔ لیکن ۱۶۴۹ء دسمبر میں موسم سرما کی آمد نے فوجی نقل و حرکت اور کاروائی کو بیکار کر دیا۔ ہندوستان کی فوج وہاں کے سخت جاڑے کا مقابلہ نہ کر سکی اور اورنگ زیب کو قندھار سے ہٹ کر کابل جانا پڑا۔

۱۶۵۲ء تک مغل سپاہ ایرانیوں کا کچھ بھی نہ کر سکی۔ مگر ۱۶۵۲ء میں موسم گرما کی آمد کیساتھ ہی قندھار کو چھین لینے کی کوشش شروع ہوئی۔ اورنگزیب اور سعد اللہ دونوں کی پھر مامور کی گئی۔ اور بے شمار فوج کے ساتھ جس میں بڑی اور ۳۰ چھوٹی توپیں اور ۷۰ ہزار سانڈنی سوار بھی تھے۔ قندھار پر دھاوا بول دیا گیا۔ مگر کوہستانیوں نے مغلوں کی فوج کو مغلوب ہی رکھا۔ ہر موقعہ پر اُس کے چھکے چھوڑا دیئے گئے۔ القصہ دو ماہ اور آٹھ دن کے بعد ناکامی کیساتھ مغلوں کو وہاں سے واپس ہونا پڑا۔

ان معرکوں سے اورنگ زیب کو بڑا تجربہ حاصل ہوا۔ اُسے اپنی جوانمردی کا سکہ بٹھانے کا بھی خوب موقعہ ملا۔ اوّل اوّل تو وہ برائے نام سپہ سالار اور جے سنگھ۔ علی مردان۔ اور سعد اللہ سپہ سالاری کرتے رہے۔ مگر بعد میں ایسے موقعہ پیش آئے۔ کہ اورنگ زیب کو بھی اُن میں تندہی اور توجہ کے ساتھ حصہ لینا ہی پڑا۔ جس سے اُس کے استقلال بہادری وغیرہ میں زیادتی ہو گئی۔ اور وہ ہندوستان کے سپہ سالاروں میں یکتا مانا جانے لگا۔ جیسے کہ لارڈ اسٹوارٹ اور لارڈ رابرٹس انگلستان میں یکتا مانا جاتے ہیں اور لوگوں کی رائے قرار پائی۔ کہ وہ آئندہ بادشاہ ہوگا۔

اورنگزیب اور صوبہ دکن کی گورنری۔ ان معرکوں کے بعد اورنگزیب پُر اضطراب صوبہ دکن کا گورنر کیا گیا۔ مگر اُس زمانے یعنی ۱۶۵۵ء ۱۶۵۷ء کا حال آگے بیان کیا جائیگا۔ المختصر یہ کہ اُس نے اس گورنری کے زمانہ میں جو سلوک گولکنڈا اور بیجاپور کی اسلامی سلطنتوں کے ساتھ کیا۔ اُس کے باعث وہ ایک سپہ سالار اور مدبر تسلیم کیا گیا۔

شاہجہان کی وفات اور تخت کی جنگ شاہجہان کی وفات ۱۶۵۷ء میں ہوئی اگرچہ اُس کی عدالت ہی میں اُس کے چاروں بیٹوں میں تخت کی جنگ

پھیر گئی تھی۔ لیکن بعد وفات اُس کا خاتمہ ہو کر اورنگ زیب مالک تاج و تخت قرار دیا گیا۔

تخت حاصل کرنے کی کوشش کرنی بچوں کا کھیل نہ تھا۔ کیونکہ چار حقدار تھے۔ اور وہ بھی آزمودہ کار

شجاع حاکم بنگالہ۔ اورنگ زیب حاکم دکن۔ مراد حاکم گجرات۔ دارا شکوہ حاکم ملتان و قندھار۔ مگر ضروریات ملکی کے باعث دارا شکوہ کو دہلی میں رہنا پڑتا تھا۔ دراصل شاہجہان کا حقدار جانشین بھی وہی تھے

شاہجہان کے ایام علالت میں بیگم جہاں آرا و بیگم روشن آرا اپنے اپنے منصوبے گانٹھ رہی تھیں۔ فوجیں تیار کرا رہی تھیں۔ دارا کا رسوخ شاہجہان کی پیرانہ سالی کے باعث اراکین دربار میں زیادہ ہو گیا تھا۔ قندھار کے آخری حملہ کے بعد دارا کے اعزاز میں ایزادی کر دی گئی تھی اُسے شاہ بلند اقبال کا خطاب کیا گیا تھا۔ خلعت دیا گیا جس میں ۵ ہزار کے جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ پگڑی کے لئے ایک بیش قیمت ہیرا بھی دیا گیا اور تخت شاہی کے نیچے ایک زریں کرسی اُس کے لئے بچھائی گئی۔ جس پر وہ سر دربار بیٹھا کرتا تھا۔ سوائے اُس کے شاہی خاندان کے دوسرے شخص کو سر دربار بادشاہ کے سامنے بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔

دارا شکوہ شاہجہان کے ایام علالت میں کاروبار سلطنت بھی انجام دیتا رہا۔ اور یہ باتیں گویا اُس کے آئندہ فرمانروا ہونے کی علامات تھیں۔

شاہجہان کی موت کی افواہ۔ شاہجہان طویل علالت کے باعث دربار میں آنے سے قاصر رہا۔ لوگوں میں اس غیر حاضری کے عجیب عجیب معنی تراشے جانے لگے بلکہ بعض اراکین سلطنت کو تو یہ یقین ہو گیا کہ شاہجہان فوت ہو چکا ہے اور دارا شکوہ نے اپنے بھائیوں کو موقعہ نہ دینے کے لئے اُس کی موت کو بطور راز کے مخفی رکھنے کی کوشش کی ہے۔ شدہ شدہ اس شبہ کی خبر دارا شکوہ کو بھی ہو گئی۔ اور اُس نے لوگوں کو یقین دلانا چاہا۔ کہ بادشاہ ابھی زندہ ہے لیکن اس عرصہ میں یہ افواہ سارے ملک میں پھیل گئی تھی

دونوں بیگموں کی کارروائیوں نے جو وہ اپنے اپنے آرڈروں کے حق میں کر رہی تھیں سارس افواہ کو دور بھی شہرت دیدی۔ اور اب تینوں بھائیوں نے سپاہ فراہم کرنا شروع کر دی۔ جب داراشکوہ کو اُن کی کارروائیوں کا حکم ہوا۔ تو وہ بھی چوکس ہو بیٹھا۔

شجاع کا اعلان ۔ سب سے پہلے شجاع نے جو حاکم بنگالہ تھا۔ اعلان کیا۔ کہ داراشکوہ نے شاہجہان کو زہر سے ہلاک کر دیا۔ اور فوج لے کر آگرہ کیطرف بڑھا۔ شاہجہان نے اُسے پیغام بھیجا۔ کہ میں زندہ ہوں مگر اُسے یقین نہ آیا بلکہ اس خبر کو اُس نے داراشکوہ کی چال سمجھا۔

اورنگزیب کی چال ۔ مگر اورنگزیب نے بالکل ہاتھ پاؤں نہ نکالے بلکہ چپکا بیٹھا ہوا بھائیوں کی کارروائیوں کو دیکھا گیا۔ وہ ان کی پیش قدمی اور اُن کے ارادوں کو تاڑتا رہا۔ وہ اُن کی طبیعتوں سے خوب واقف تھا دارا نے اورنگزیب کے مکان واقعہ دہلی پر قبضہ کر کے اُس کے گماشتے کو قید کر لیا۔ مگر اس خیال سے کہ کہیں وہ اپنے آقا کی خیرخواہی میں نہ اُٹھ کھڑا ہو اس پر بھی اورنگزیب نے کچھ نہ کیا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ تخت تک پہنچنے کے لئے بہت سی دشواریوں اور مشکلات کا سامنا ہوگا۔

جب شجاع اور مراد اپنی اپنی سپاہ لے کر پایہ تخت کی طرف بڑھتے آتے تھے تو دارا جلدی سے تخت پر بیٹھ گیا۔ اور شاہی فوج اُن دونوں کے مقابلہ اور سرکوبی کے لئے روانہ کر دی ماہ دسمبر ۱۶۵۷ء میں راجہ جے سنگھ کیساتھ اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کو شجاع کے مقابلہ کے لئے اور مارواڑ کے راجہ جسونت سنگھ اور قاسم خاں کو مراد کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اورنگزیب بڑا ہی چالباز تھا۔ دارا کو سب سے زیادہ اُس کا خوف تھا۔ یہ اُس نے اس لئے کیا۔ کہ مراد اور اورنگزیب کے درمیان سلسلہ رسل و رسائل نہ جاری رہ سکے۔ دارا کو اسوقت بہت ہی مشکلات کا مقابلہ تھا۔ بہتر ہوتا کہ وہ سب سے پہلے اورنگزیب کی روک تھام کرتا لیکن اس وقت اُسے شجاع کیطرف سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں وہ پایہ تخت تک پہنچکر شاہجہان کو حراست میں نہ لے لے اگر شجاع

IMPERIAL

کو اس میں کامیابی ہوگئی۔ تو اُس کا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا۔ اس لئے وہ پایہ تخت سے دور نہ رہا۔

خیر شجاع کے حوصلوں کو تو راجہ جے سنگھ نے پست کر دیا۔ اور اُسے بنارس کے نزدیک شکست فاش دی شجاع صبح کو خواب گاہ سے باہر نکلا تھا کہ راجہ جے سنگھ نے اُس کے لشکر پر چھاپا مارا۔ شجاع کی فوج گھبراہٹ اور پریشانی کے باعث جے سنگھ کی فوج سے تاب مقابلہ نہ لاکر بھاگ گئی اور شجاع کو خطرہ میں چھوڑ گئی۔ جسوقت شجاع کو یہ معلوم ہوا تو اُس نے بچی کھچی فوج فراہم کر کے راجہ جے سنگھ کا مقابلہ کیا۔ مگر منہ کھائی۔

جب اورنگزیب کو معلوم ہوا۔ کہ مراد کے مقابلہ میں ایک بڑی فوج بسر کردگی۔ راجہ جسونت سنگھ اور قاسم خاں سے آزمودہ کار سپہ سالاروں کے روانہ کی گئی ہے تو اُس نے مراد کو خط لکھا۔ جسمیں اوسے سوات پر قبضہ کر لینے پر مبارکباد دی اور یہ بھی لکھا۔ کہ تم نے ہمارے بدمعاش و بے حیا بھائی دارا کی بے حمیتی اور ناخدا ترسی کے مقابلہ کے لئے جو کچھ ارادہ کیا ہے۔ اسمیں مجھے اپنا مددگار سمجھو۔ ہمارا باپ ابھی تک زندہ ہے۔ اور ہم دونوں کا فرض ہے کہ ہم اُس کی مدد کریں اور اُس سرکش کے غرور و تکبر اور شوخی و گستاخی کی اُسے قرار واقعی سزا دیں اس کے بعد تمام سلطنت کر نا اور ہیں مکہ کو چلا جاؤنگا۔ راجہ جسونت سنگھ کی فوج پر فوراً حملہ کر دیا جائے۔ میں تمہاری فوج سے دریائے نربدا پر مل جاؤنگا۔" اور میرے اور تمہارے درمیان خدا کا کلام ہے۔" اور ساتھ ہی ایک لاکھ روپیہ اپنی صداقت اور وفاداری کے ثبوت کے لئے اُس کے پاس بھیجدیا۔

یہ خبر ملتے ہی مراد جامہ سے باہر ہوگیا۔ اُس نے سمجھا۔ کہ اب تک تو میں اکیلا تھا۔ مگر اب ایک سے دو بھلے رہیں گے۔ اور دارا شکوہ پر بھاری پڑیں گے۔ سلطنت کی جنگ میں مجھے ضرور فتح حاصل ہوگی۔ میں راج کرونگا اورنگزیب جو ایک صوفی اور خدا پرست ہے مکہ چلا جائیگا۔ مگر اُسے کیا خبر تھی۔ کہ اس پیام کی آڑ میں اورنگزیب کیا شکار کھیلنا چاہتا تھا۔ آیا

وہ واقعی اپنے وعدہ کو نبھائیگا۔ اُس کا بڑا منجدھار میں غرق کرے گا۔ اُسے کیا پتہ تھا۔ کہ عارفانہ رنگ میں اُس کے لئے بھنگ ہوگا اُس نے صدق دل سے اورنگزیب کے پیغام کو قبول کیا۔ اور اپنی آئندہ مرادوں کے پورا کرنے کی فکر میں لگ کر دریائے نربدا کیطرف فوج کا کوچ بولدیا۔

اورنگزیب نے اپنے وعدہ کے موافق آخر شروع ۱۶۵۸ء برہان پور سے معہ فوج کے چلدیا۔ اور دونوں فوجیں نربدا سے چل کر ماہ اپریل کے آخر میں مقام دہرمت پر واقع ملک اوجین میں دشمن کی فوج سے متقابل ہوئیں۔

شاہجہان ابھی زندہ تھا۔ اُس نے جو فوج کشیوں کا حال سنا۔ تو آگرہ سے اورنگزیب کے نام پیغام بھیجا۔ کہ وہ اپنے ملک دکن کو واپس چلا جائے اور مراد کو بھی واپس گجرات بھیجدے۔ لیکن دونوں بھائیوں نے اس پیام کو دارا کی طرف سے سمجھا۔ اور خیال کیا۔ کہ یا تو شاہجہان فوت ہوچکا یا قریب المرگ ہے اور اب جبکہ میدان میں آ گئے ہیں اس لئے دارا کو سزا دے ہی چلیں

چال خالی گئی اورنگزیب بڑا عیار تھا۔ اُس کے داؤ گھات اور اُس کی چالیں غضب کی ہوتی تھیں اس وقت اُسے ایک چال سوجھی۔ جسے اُس نے ایک پُر از حیلہ پیغام کی صورت میں راجہ جسونت سنگھ کے پاس بھیجدیا۔ کہ میں اپنے باپ سے ملنا چاہتا ہوں مجھے ملک کی کوئی خواہش نہیں ہے اسلئے یا تو تم میرے ساتھ اُس کے پاس چلو یا میرے لئے راستہ چھوڑ دو۔ تاکہ مفت میں کشت وخون نہ ہو۔" مگر اس پیغام کا جواب راجہ جسونت سنگھ نے اُس کی منشا کے خلاف دیا اور جانبین سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں

چال چل گئی رشوت مشرقی ممالک میں غارتگری کا کام دیتی رہی ہے اگرچہ مغربی ممالک میں بھی رشوت کی بدولت بہت سوں کو کامیابی اور بہت سوں کو ناکامی نصیب ہوتی رہی ہے۔ اور خصوصاً معاملات ملکی اور خواہش حکمرانی میں لیکن مشرقی ممالک میں اس موذی نے قدم اچھی طرح جمائے اور اب تک اس کا دور دورہ ہے جب اورنگزیب نے دیکھا۔ کہ راجہ جسونت سنگھ اُس کے داؤ پر نہیں چڑھا۔ اور چال خالی پڑی۔ اور ایک خونریز جنگ کا سامنا

کسی طرح سے نہیں ٹل سکتا۔ تو اُس نے رشوت کے ذریعہ کامیابی اور اپنی منشائے دلی حاصل کرنی چاہی۔ اُس نے دارا کی فوج کے سپہ سالاروں کے پاس خفیہ پیغام بھیجے۔ کہ اگر وہ اُس کا ساتھ دیں تو دولت و منصب سے مالامال اور نہال کر دیے جائیں گے۔ اور جو لوگ اس بات پر آمادہ ہو گئے اُن کو بیعانے کے طور پر تھوڑی تھوڑی رقمیں بھی بھجوا دی گئیں اور اب کچھ سپہ سالار دارا کی عدول حکمی کرنے لگے۔ اور راجہ جسونت سنگھ کو جو دارا کی طرف سے فوج کی سرغنائی پر مقرر کیا گیا تھا ایسی تدبیریں بتانے لگے۔ جو اُلٹی پڑتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ سچ ہے روپیہ کی بُری مار ہوتی ہے

راجہ جسونت سنگھ کی غلطی جس وقت اورنگزیب کی فوج دریائے نربدا پر پہنچی ہے تو معلوم ہوا کہ راجہ جسونت سنگھ بھی اپنا لشکر کثیر لئے ہوئے دریا کے پاس کوئی ایک میل کے فاصلہ پر پڑا ہوا ہے مگر ابھی تک مراد کی فوج وہاں نہیں پہنچی تھی اگر جسونت سنگھ اس وقت اورنگزیب کی فوج پر حملہ کر دیتا۔ تو بہت ہی اچھا ہوتا۔ اور مغلیہ خاندان کی حکومت کا رنگ ہی بدل جاتا دارا بھی ایک چھوٹا موٹا اکبر ہوتا۔ ہندوؤں کی وفاداری اور دل جوئی دونوں قائم و برقرار رہتیں۔ سلطنت کو استحکام ہوتا۔ اور انگریزی تجارت کے قدم جو ہندوستان میں انگریزی حکومت کے قائم ہونے کا پیش خیمہ تھے۔ نہ جم سکتے۔

راجہ جسونت سنگھ بذات خود تو حملہ کرنے کو تیار تھا۔ لیکن وہ کرتا کیا شاہجہان جو اُس کا رفیق تھا۔ اُس نے اُسے پیش قدمی کرنے کی اجازت نہ دی اور وہ مجبوراً دو تین دن تک دریائے نربدا پر پڑا رہا۔ اورنگزیب کے لئے یہی دو تین دن کا زمانہ غنیمت تھا کیونکہ اسی عرصہ میں مراد کی فوج اورنگزیب کی فوج سے آملی۔ اور اُس کے ساتھ سارا گجرات اُمنڈ آیا۔

اگرچہ دارا کے قائم مقام راجہ جسونت سنگھ کے ساتھ بھی بہت سا لشکر تھا لیکن مثل مشہور ہے کہ "دو دل یک شود بشکند کوہ را۔ پراگندگی آرد انبوہ را"۔ جسونت سنگھ کے مقابلہ میں اورنگزیب اور مراد ایک چھوڑ دو

حریف موجود تھے - اور اُس پر اورنگ زیب کی عیاری خیر جنگ چھڑی - کشت و خون ہوئے - راجپوت بڑی جانبازی کے ساتھ لڑے - مگر جسونت سنگھ نے شکست فاش کھائی - ۸ ہزار نبرد آزماؤں میں سے کٹتے کٹتے صرف ۵ سو باقی رہ گئے - اگرچہ دارا کی فوج کے نمک حرام سپہ سالاروں نے ظاہرا تو اورنگ زیب کا ساتھ نہیں دیا - تاہم درپردہ اُن موقعوں سے آکھڑے اجڑا گئے - جو دارا کے موافق پڑتے - جب جسونت سنگھ کو معلوم ہوا - کہ فوج بالکل تہ تیغ ہو گئی - اور اب جو زور کا حملہ ہوگا - تو رہی سہی فوج بھی کٹ جائے گی تو اُس کی ہمت و مردانگی اُسے جواب دے گئی - اور میدان جنگ سے اپنی جان لے کر اپنے ملک مارواڑ کو بھاگ گیا - مگر وہاں اُس کی رانی نے اُسے شہر میں نہ گھسنے دیا - بلکہ یہ کہا وہ میرا خاوند نہیں ہے - میں اس کا منہ نہ دیکھونگی - اگر وہ فتح نہ پا سکا - تو مر گیا ہوتا "

ادھر آگرہ میں اس وحشت افزا خبر نے ایک تہلکہ ڈالدیا شہر میں ایک عجیب ہل چل مچی ہوئی اور گھبراہٹ کا عالم طاری تھا - شاہجہان نے اس خیال سے کہ کہیں اُس کے بیٹے اُس پر حملہ نہ کریں اور رہی سہی فوج اُن کی طرف نہ ہو جائے - دونوں بیٹوں کا مقابلہ کرنا چاہا - شاہجہان سمجھتا تھا - کہ اگر وہ سپاہ لے کر بذات خود بیٹوں کا مقابلہ کیئے جائے - تو سپاہ ضرور اس کا لحاظ کرے گی گو دارا کی مخالفت کی - اور شاہجہان کو نہ جانے دیا - دارا تو یہ چاہتا تھا کہ خود نام پیدا کرے اورنگ زیب اور مراد کی فوج تھکی ماندی ہے - وہ اسکا مقابلہ تازہ دم فوج سے کرنا چاہتا تھا - اس لئے شاہجہان کی ایک ہی پیش نہ گئی جب لشکر فراہم کر کے دارا اپنے بھائیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ ہونے کو تھا تو شاہجہان نے اُسے مشورہ دیا - کہ بنگالہ سے فوج واپس آجانے دے اُسمیں سے بھی کچھ حصّہ ہمراہ لے جانا مگر اُس نے ایک نہ مانی - بلکہ شاہجہان کی تمام دلیلوں اور دور اندیشی کی باتوں کا یہ جواب دیا - کہ میں تین دن کے اندر اندر دونوں بھائیوں کو گرفتار کر کے لاتا ہوں - •

دارا کی فوجکشی - چنانچہ دارا ایک لاکھ سوار بیس ہزار پیادے اور ۸۰ توپ لیکر

بھائیوں کے مقابلہ کے لئے چلدیا۔ وہ چلاچل کوچ در کوچ دریائے چمبل پر جا پہنچا۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ اورنگ زیب اور مراد دریا کے اُس پار چلے گئے۔ خیر دونوں لشکروں کا، جون کو سامرگڈھ پر جسے فتح آباد کہتے ہیں مقابلہ ہوا۔ اورنگ زیب کی رشوت کا اثر دارا کے لشکر میں خوب ہوگیا تھا اور بہت سے فوجی افسر اورنگ زیب سے ساز کر چکے تھے۔

اورنگ زیب نے اپنا لشکر میدان میں ترتیب کے ساتھ جمالیا سیدھے بازو پر بہادر خاں کو کھڑا کیا۔ اولٹے پر مراد کو۔ اور خود بیچ میں رہا۔ اور آگے اپنے بیٹے محمود کو کھڑا کیا۔ دارا نے بھی فوج کو اس طرح مقابلہ میں کھڑا کیا۔ خلیل اللہ خاں کو سیدھے بازو پر رستم خاں کو اولٹے پر اپنے بیٹے سپہر شکوہ کو آگے اور خود بیچ میں رہا۔

لڑائی اس طرح شروع ہوئی جسطرح کہ مغلوں میں شروع ہوتی ہے پہلے طرفین سے فوجوں میں گڑبڑی ڈالنے کے لئے گولے چھوڑے گئے۔ اس کے بعد پیادے لڑنے لگے سپہر شکوہ شاہزادہ محمود پر جاپڑا۔ دارا اورنگ زیب کی طرف بڑھا۔ تھوڑی دیر بعد ان میں گھمسان ہوگیا۔ تیر چلنے لگے اور سوار سے سوار لڑنے لگے۔ دارا نے اورنگ زیب کی فوج کو پسپا کرنا شروع کیا۔ اورنگزیب فوج کے پیچھے ہٹتے دیکھ کر یوں کہنے لگا "یارو ہمت باندھو۔ خدا ہے دکن دور ہے" اور ساتھ ہی اپنے ہاتھی کے پاؤں زنجیر سے کسوا دیئے تاکہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکے یہ دیکھکر فوج بھاگنے سے ٹھیر گئی اور دونوں بھائیوں میں مقابلہ سے وار ہونے لگے مگر تھوڑی ہی دیر بعد دارا کے اُلٹے بازو کو اورنگزیب کے سیدھے بازو نے پیچھے ہٹانا شروع کردیا۔ مراد شیر کی مانند دارا کے سیدھے بازو پر جاپڑا۔ اور جوش و خروش سے لڑتا رہا۔ اس وقت گویا فوجیں دست بدست لڑ رہی تھیں۔ قضا نبرد آزماؤں کے سروں پر کھیل رہی تھی اور مردان جری کٹ رہے تھے۔

جب میدان کارزار کا یہ سماں تھا۔ راجہ رام سنگھ نے اورنگ زیب کے بیٹے پر برچھے سے وار کیا۔ مگر اورنگ زیب نے وار روک کر اُسے گولی سے

ہلاک کر دیا۔ اور دارا کا ایک وفادار اور قابل افسر کام آگیا۔ راجہ رام سنگھ کا مرنا تھا۔ کہ راجپوت پھر گئے اور اورنگزیب کی فوج پر زور شور کیا تھا دھاوا کر دیا۔ اس دھاوے میں راجہ روپ سنگھ راٹھور بھی کام آگیا۔ گویا دارا کی فوج کے دو قابل افسر اور جانباز سپہ سالار دنیا سے اُٹھ گئے۔ لیکن اُس کی فوج نے اورنگزیب کی فوج کو چاروں طرف سے روک لیا۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ میدان دارا کے ہاتھ رہیگا۔

دارا کی غلطی اور شکست۔ مگر اس وقت دارا سے ایک غلطی سرزد ہوئی وہ لڑتے لڑتے اورنگزیب کے ہاتھی کے پاس جا پہنچا تھا اُس نے خیال کیا۔ کہ چپکے سے اپنے ہاتھی سے اُتر کر اورنگزیب کے ہاتھی کی زنجیریں کاٹ دے دارا کا ہاتھی سے اُترنا ہی تھا۔ کہ خالی ہودے کی طرف اُس کی سپاہ کی نگاہیں جا لگیں۔ اور آپس میں سپاہی ایک ایک سے پوچھنے لگے۔ کہ اُنکا سرغنہ کہاں ہے اس پوچھ گچھ کا نتیجہ بُرا نکلا۔ کہیں کسی ایسے نمک حرام کے کان تک یہ بات پہنچ گئی جو اورنگزیب سے سازش رکھتا تھا۔ اور اُس نے آواز نکالی۔ کہ دارا مارا گیا۔ یہ سنتے ہی فوج کے دل بیٹھ گئے۔ اور اورنگزیب کا خوف اُن پر غالب آگیا۔ دارا کی فوج میں بھاگ پڑ گئی اگرچہ یہ دیکھ کر دارا پھر ہاتھی کے اوپر سوار ہو گیا۔ لیکن اُس کی فوج پیٹھ دکھا چکی تھی۔ اس لئے اُسے بھی بھاگنا پڑا۔ اور ہارے ہوئے جیت گئے۔

فتح کے بعد اورنگزیب کی کارروائیاں۔ فتح کے بعد اورنگزیب سامو گڑھ کے میدان میں خیمہ ڈالے رہا۔ یہیں سے اُس نے اپنے باپ کے امراء کے ساتھ خط و کتابت کی جس کے جواب میں وزیر آصف خاں کے بیٹے خانجہاں شائستہ خاں اور ممتاز محل کے بھائی نے اُس کی طرفداری کا وعدہ کیا۔ شاہجہان نے دارا کی شکست کی اطلاع راجہ جے سنگھ کو کی جو اس وقت بنگالہ میں تھا۔ مگر راجہ جے سنگھ اور راجہ جسونت سنگھ دونوں اورنگزیب کے طرفدار ہو گئے۔ جب شاہجہان نے یہ دیکھا۔ کہ دارا سے اُس کے سارے ارکین سلطنت پھر گئے اور اورنگزیب کی خیرخواہی کا دم بھرنے لگے ہیں۔ تو اُس نے بھی دارا کے

اوپر سے اپنا ہاتھ اوٹھالیا۔ اور اورنگ زیب کیطرف ڈھل گیا۔ اور اس نے اورنگ زیب کو مبارکباد بھیجی جس کے ساتھ ایک تلوار بھی روانہ کی اس تلوار کے اوپر لفظ "عالمگیر" کندہ تھا۔ اورنگ زیب کا نام بھی "عالمگیر" پڑگیا۔ اور اسی لقب سے وہ آگے چل کر تخت نشین اور مشہور ہوا۔

شاہجہان کے پھرتے ہی داراشکوہ کا ستارا نحوست میں آگیا۔ اور اُس کی امیدیں مایوسیوں سے مبدل ہوگئیں اور اب وہ کچھ رفیقوں کی جماعت لے کر اپنی جان بچانے کے لئے جگہ جگہ چھُپتا پھرتا تھا۔

آگرہ میں بیگم جہاں آرا جو داراشکوہ کی بڑی حامی و مددگار تھی اورنگزیب کے قتل کے لئے سازش کی۔ اورنگزیب کو آگرہ آنے کا پیغام روانہ کیا گیا مگر بیگم روشن آرا جو اورنگزیب کی حامی تھی۔ اُس نے سازش کا حال لکھ بھیجا اورنگ زیب آگرہ نہ گیا۔ مگر اُس نے اپنے بیٹے کو آگرہ بھیجکر ۸ جون سنہ ۱۶۵۸ء کو شاہجہان کو قلعہ کے اندر قید کرادیا۔ اسپر شاہجہان کے طرفداروں نے بڑا واویلا مچایا۔ اور سر اوٹھانا چاہا۔ اورنگزیب نے اُن کو اطمینان دلایا۔ کہ یہ محض ایک حفاظت عملی ہے اور بادشاہ کو بہت جلد اس قید سے رہائی دلائی جائیگی۔ اورنگزیب نے اس موقعہ پر بھی مدبرانہ چالاکی سے کام لیا اور بادشاہ کو بہت سے تحایف بھیجے۔ اور چند جانثاروں کو اُسکی خدمت کرنیکی اجازت دیدی۔ شاہجہان کو اپنے قید ہونے اور مجبور حالت پر سخت رنج و ملال ہوا جسکے صدمے وہ جانبر نہ ہوسکا۔ اُس نے اورنگ زیب کو تو معافی دیدی۔ مگر ساتھ ہی کُڑھ کُڑھ کر اپنی جان بھی دیدی

شاہجہان کی وفات سنہ ۱۶۹۶ء ۷۴ برس کی عمر میں کئی سال کی قید تنہائی اور رنج و ملال کے باعث شاہجہان اس دار فانی سے اُٹھ گیا۔

مراد کے ساتھ ہی بدسلوکی جبروز شاہجہان آگرہ کے قلعہ میں قید کیا گیا اُس کے چند ہی دن بعد اورنگزیب نے آگرہ پہنچکر شاہی خزانہ پر قبضہ کرلیا جہاں اُسے صرف ۱۷ لاکھ روپیہ نقد ملا۔ اب اُسے یہ فکر ہوئی کہ دارا۔ شجاع اور مراد کو کس طرح اپنے قابو میں رکھ کے تخت پر متمکن ہو۔ اُس نے امرا کو

انعام و منصب کے وعدے سے اپنا قابو میں کر لیا اور ایک حیلہ نکال کر مراد کو قید کر لیا۔

دارا اور شجاع کا تعاقب اور ان کی بربادی۔ مراد کو قید خانہ میں ڈالکر اور اپنے بیٹے کو آگرہ میں امور سلطنت پر مامور کر کے اورنگزیب بذات خود دارا کے تعاقب پر آمادہ ہوا۔ دارا اس وقت مہابت خاں کی امداد حاصل کرنے کے لئے کابل کیطرف جا رہا تھا۔ اورنگ زیب کی آمد کی خبر سنکر وہ سندھ کیطرف بڑھ گیا اور اورنگزیب کے ہاتھ نہ آیا۔ اس عرصہ میں شجاع نے پھر علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس لئے اورنگ زیب کو مجبوراً دارا کا تعاقب چھوڑکر آگرہ کیطرف جانا پڑا۔ کیونکہ شجاع نے بنارس اور الہ آباد پر قبضہ کر لیا تھا۔ جسوقت اورنگ زیب سندھ کے قریب سے آگرہ کو واپس آ رہا تھا۔ تو اتفاق سے دارا سے اس کا مقابلہ اجمیر کی پہاڑیوں میں ہو گیا۔ دارا بیحد پریشان خاطر تھا۔ اُسے فکر دامنگیر تھی۔ کہ کسی طرح وہ راجپوتانہ کی پہاڑیوں میں تھوڑے دن تک چھپا رہ کر ہندوستان سے چپکے سے بھاگ جائے۔ اجمیر پر مقابلہ ہونے سے دارا کی رہی سہی طاقت بھی برباد ہو گئی۔ اور وہ اپنی جان لیکر معہ بیوی اور بچوں کے احمد آباد کی طرف بھاگ گیا۔ مگر احمد آباد کے گورنر نے اُس کی مدد نہ کی اس لئے اُسے مجبوراً کچھ میں غارتگروں کی ایک جماعت میں شامل ہو کر پناہ لینی پڑی۔ اس مقام پر اُس کی بیوی مبتلائے مصائب ہونے کے باعث مرگئی۔ دارا نے اس کا جنازہ چند ہمراہیوں کی نگرانی میں لاہور کو روانہ کر دیا۔ چونکہ دارا کا نصیب اُس سے پھر گیا تھا۔ اُسے کچھ میں بھی چین نہ ملا۔ غارتگروں کے سرغنہ ملک جیون نے جو قندھار میں رہتا تھا۔ روپیہ کی طمع سے دارا کو اورنگ زیب کے حوالے کر دیا اورنگ زیب نے اُس مجبور کو میلے کپڑے پہنا کر اور ہاتھی پر سوار کر کے سارے شہر میں پھرایا۔ خلقت اُس کی حالت زار دیکھ کر روتی تھی بلکہ بعضوں نے تو ترس کے مارے ارادہ کر لیا۔ کہ اُس کے پکڑوانے والے کو قتل کیا جائے اورنگ زیب نے جو یہ دیکھا۔ کہ دارا کے طرفداروں نے اُس کے لئے سر اُٹھانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور بغاوت پر آمادہ ہو چلے ہیں۔ چپکے سے دارا

کر قتل کروا دیا۔ اور اُسکا سر ہمایوں کے مقبرے میں دفن کرا دیا گیا

اسی عرصہ میں شجاع زور پکڑ گیا۔ اورنگزیب نے سندھ سے واپس آتے وقت دکن میں اپنے قائمقام میرجملہ کو پیغام بھیجدیا تھا۔ کہ وہ کچھ فوج لے کر آئے۔ اسوقت میرجملہ اُس سے آملا تھا۔ اور یہ دونوں ملکر شجاع کے مقابلہ کو چلے گئے۔ شجاع سے مقابلہ ہوا جس میں اُسے ہزیمت نصیب ہوئی۔ اور وہ بھاگ کر پرتگالیوں کے پاس پناہ لینے کو پہنچا۔ پرتگالی اُسے اراکان لے پہنچے۔ جہاں اُنہوں نے اُسے لوٹ لیا۔ اور زخمی کر ڈالا وہ اُن کے ہاتھوں سے نکلکر معہ بیوی اور بچوں کے فقیروں کے لباس میں نواح اراکان میں کچھ عرصہ تک مارا مارا پھرا۔ مگر اس کے بعد اُس کا کوئی حال معلوم نہیں ہوا۔ کہ اُسپر کیا گذری اور اُسکا انجام کیا ہوا۔

باقی دعویداران سلطنت کیساتھ سلوک۔ اورنگزیب نے داراشکوہ کے دونو بیٹوں سلیمان شکوہ و سپہر شکوہ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا۔ اور مراد کو قتل کرا دیا۔ اورنگزیب کا بیٹا محمود اپنے باپ سے کسی بات پر بگڑ کھڑا اور غصے میں آکر شجاع سے جا ملا۔ شجاع کو شکست دیکر محمود کو گرفتار کیا گیا۔ اور اُسے بھی گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ جہاں سے اُس نے ۱۶۶۷ء میں بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ مگر قتل کرا دیا گیا۔ دارا کے دونوں بیٹوں کو اورنگزیب نے اپنی دو بیٹیاں بیاہ دیں۔ اور یہی سلوک مراد کے بیٹے کیساتھ کیا گیا

تخت نشینی کا اعلان۔ جب اورنگزیب سارے دعویداران سلطنت کا قلع قمع کر چکا۔ تو اُس نے جولائی ۱۶۵۸ء میں ۴۰ سال کی عمر میں شالیمار باغ بیرون دہلی میں اپنے تخت نشین ہونے کا اعلان کیا۔ مگر اعلان کیوقت نہ تو نماز دعائیہ پڑھوائی گئی۔ جیسی کہ مسلمان بادشاہوں میں رسم تھی۔ اور نہ سکہ ضرب کرایا گیا۔ بلکہ باقاعدہ طور پر وہ ۲۶ مئی ۱۶۵۹ء کو تخت پر بیٹھا تھا

ان تمام باتوں سے لازمی طور پر یہی رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ اورنگزیب عابد خدا پرست۔ خدا ترس نہ تھا۔ بلکہ مکار۔ سفاک اور عہد شکن تھا۔ اگرچہ

ہندوستان کے مسلمان اُسے متقی و پرہیزگار بتاتے اور سمجھتے ہیں۔ لیکن جن چالاکیوں اور کارروائیوں سے اُس نے تخت شاہی حاصل کیا جو بدسلوکی اپنے بھائیوں اور نیز دیگر دعویداران سلطنت اور باپ کیساتھہ کی۔ اور جو عہد شکنی اُس نے روا رکھی۔ اور جو ظلم و ستم اُس نے اپنی رعایا کے اوپر کئے۔ (ان مظالم کا بیان آگے چلکر آئیگا) اُن سے بھی اُس کے ظالم عیار، بدعہد اور متعصب ہونے کا ثبوت ہوتا ہے افسوس ہے اُن لوگوں پر جو اُس کی ان باتوں کا علم رکھتے ہوئے بھی اُس کی نسبت دیندار متقی۔ پرہیزگار، عادل وغیرہ وغیرہ ہونے کی رائے قائم کرتے ہیں

اورنگ زیب "عالمگیر" مشہور ہوا سنہ ۱۶۵۹ء میں اورنگ زیب "ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب" "عالمگیر" کے لقب سے تخت شاہی پر رونق افروز ہوا۔ اپنے نام کا سکہ ضرب کرایا۔ اُس کی رعایا۔ اُس کے جانشین اور آئندہ نسلیں اُسے عالمگیر کے ہی نام سے یاد کرتے رہے۔

اورنگ زیب کی نسبت مسلمانوں اور عیسائیوں کی رائے تمام مسلمان مؤرخ باستثناء چند عالمگیر کو عابد و زاہد کہتے ہیں۔ بلکہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں صرف اورنگزیب ہی زاہد متقی سمجھا جاتا ہے۔ مگر عیسائی مؤرخ اُسے ریاکار اور مذہب کی آڑ میں اپنی خواہشوں اور ارادوں کو پورا کرنے والا اور زہد و تقوے کے رنگ میں خون ناحق کا دھبہ مٹانے والا قرار دیتے ہیں اس میں کچھہ شک نہیں ہے کہ مسلمان اُسے پابند مذہب دیکھکر اُس کی اُن کرتوتوں کو بھول گئے۔ جن سے اُس نے تخت شاہی حاصل کیا تھا اور اس میں بھی کچھہ شک نہیں ہے کہ عیسائی یا دیگر اقوام اُس کی کارروائیوں کے باعث اُسے تو وہ علامت بناتے اور ظالم و سفاک اور متعصب بناتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ اپنے ہمعصر کرامول[1] کی مانند تھا۔ اگرچہ مسلمان اور عیسائی مؤرخ دونوں اپنے اپنے خیال میں سچے ہو سکتے ہیں۔ لیکن

[1] کرامول وہ شخص تھا جس نے انگلستان میں کامن ویلتھ قائم کی تھی اور شاہ چارلس اول کو تخت شاہی سے بیدخل کرکے خود مالک تاج و تخت اور دکھنے کے لئے رعایا کا مددگار بن بیٹھا تھا

اتنی بات ضرور ہے۔ کہ جو حالات اسلاف کی نسبت آئندہ نسلوں کو ملتے ہیں اُن ہی کی بنا پر اُن کی نسبت رائے بھی قائم کی جاتی ہے۔ اول تو مسلمانوں نے اورنگزیب کے حالات ہی قلمبند نہیں کئے ہیں اور اس کی وجہ بالکل صاف اور ظاہر ہے۔ کہ مشرقی ممالک کی طرز حکومت نے منصف مزاجوں کو بھی کوئی رائے تحریر قائم کرنے کی اجازت نہ دی ہوا اور جن لوگوں نے کچھ حالات قلمبند چھوڑے ہیں۔ اُن میں زیادہ تر ایسے ہی ہیں جن سے عیسائیوں کے دعادی کی تائید ہوتی ہے۔ رہے عیسائی سو زیادہ تر اُن میں سے ہیں۔ جو بغرض تجارت یا سیاحت یا امور سلطنت پر مامور ہو کر ہندوستان میں آئے تھے۔ اور جنکو نہ تو اورنگزیب سے کوئی ذاتی تعلق تھا نہ دوستی تھی نہ دشمنی اُنھوں نے اورنگ زیب کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل کیا اور طرز حکومت حکمران کی چال ڈھال اور دربار کا رنگ بڑی غائر النظر سے ملاحظہ و معائنہ کیا۔ پس ایک منصف مزاج مصنف کو خواہ مخواہ اُن ہی حالات کی بنا پر رائے قائم کرنی پڑتی ہے اسلئے ہم بھی بے تکلف یہی کہدیتے ہیں کہ اورنگ زیب کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا بلکہ وہ بڑا ظاہر پرست تھا۔ اُس کے قول اور اُسکے فعل میں تطابق نظر نہیں آتا۔ اور اسی کا نام ریاکاری ہے رہا تعصب سو اُسکے ثبوت میں اظہر من الشمس واقعات موجود ہے جن کے مورد ہندو بنائے گئے ہیں

اورنگزیب سچا قاتل تھا۔ تاتاریوں میں رسم تھی کہ تخت و تاج کے لئے ضرور خون کی ندیاں بہائی جائیں اور بندگان خدا کا قتل ہو تاتاریوں میں ایک مثل مشہور ہے کہ "ایک خان (فرمانروا) دوسرے خان کو قتل کرکے تخت لے" اور ویسے ہی مشرقی ممالک میں دستور ہے کہ ایک فرمانروا کی وفات یا قتل پر دعویداران سلطنت آپسمیں جھگڑا کریں۔ اور کشت و خون ہوں۔ اور "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" کے مقولہ کے موافق جو زبردست ثابت ہوا وہ ملک بن بیٹھے۔ اگرچہ وراثت کا سلسلہ مشرقی ممالک پایا جاتا رہا ہے لیکن دعویداران سلطنت کی کارروائیوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ وراثت دراصل کہنے کے لئے تھی۔ بلکہ سچے وارث زبردست شخص ہوتے رہے ہیں۔ ایک تو

اس معاملہ کو دیکھتے ہوئے اورنگ زیب قاتل نہیں قرار دیا جا سکتا - دوسرے یہ کہ اورنگ زیب کو اچھی طرح معلوم تھا - کہ اُس کے بزرگوں کو اُن کے عزیزوں نے بیحد تکلیفیں دی تھیں سلیم اکبر سے اُس کا بھائی لڑا تھا - جہانگیر نے اُس سے بغاوت کی تھی - جہانگیر کے بڑے بیٹے نے اپنے باپ سے سرکشی کی شاہجہان نے اپنے باپ جہانگیر کو قتل کر کے تخت و تاج حاصل کیا - اس سے یہ بات اورنگ زیب کے دل نشین ہو گئی تھی - کہ جب تک اُس کے بھائی زندہ ہیں - اُسے تخت نہ مل سکیگا - اور اگر وہ ملکداری اور حکمرانی کے خیال سے بھی درگذر رہے اور تارک الدنیا بنکر گوشہ نشین ہو جائے تاہم اُس کے بھائی اُسے ہرگز چین سے نہ بیٹھنے دینگے - بلکہ اُس کی جان لے کر چھوڑینگے اس لئے اُس نے چالاکی سے تخت پر قبضہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔

اگرچہ یہ دونوں باتیں اُس کے حق میں مفید پڑیں - اور یہی دونوں باتیں اُسے اُن تمام الزاموں سے بری کر سکتی ہیں - جو اُسے ظالم و سفاک اور جابر و قاتل قرار دیتے وقت اُس پر وارد کئے جاتے ہیں - لیکن اگر وہ دعوے کے ساتھ میدان میں اوترتا تو جو الزام کہ اُس پر لگائے جاتے ہیں بالکل ہیچ و پوچ قرار دیئے جا سکتے تھے - لیکن بزرگوں کی رسم کے موافق وہ اپنے بھائیوں کے برباد کرنے کے لئے مرد میدان بنکر مقابل نہیں ہوا - بلکہ ریاکار بنکر اوسکا مراد کے ساتھ عہد و پیمان کرنا ہی اُوسے مرد میدان قرار نہیں دیتا - بلکہ ریاکار ثابت کرتا ہے اس لئے لاریب اورنگ زیب قاتل کہا جا سکتا ہے

وفادار راجپوتوں کیساتھہ بدسلوکی اورنگ زیب کے طرفداروں کی رائے ہے کہ پچاس سال کی حکومت میں اُس نے جو کچھہ ظلم و جبر راجپوتوں اور دیگر ہندوؤں پر کیا وہ محض حفظ امن کی خاطر کیا اور اسی غرض سے اُسنے سمباجی کو بھی قتل کرایا اُس نے مذہب کی خاطر دکن میں کبھی نہیں جنگ کی بلکہ حدود سلطنت کو وسعت دینے کے لئے نہ اُس نے مذہب کی خاطر جزیہ از سرِ نو جاری کیا - بلکہ ہندوؤں کے میلوں اور تیوہاروں پر جو ٹیکس پہلے بادشاہوں کے وقت سے جاری تھے وہ بھی معاف کر دیئے تھے

اورنگ زیب کے طرفداروں کی رائے بادی النظر میں تو بڑی قومی اور سچی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن غائر نظر سے دیکھنے پر اُس کی حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ بھلا کوئی یہ تو بتلائے۔ کہ راجپوتوں نے اُسے پہلے تکلیف دی یا اُس نے راجپوتوں کو ستایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ راجپوت جیسے اکبر کے زمانہ سے شاہجہان کے وقت تک مغلیہ خاندان کے جانثار بنے رہے ویسے ہی عالمگیر کی تخت نشینی کے وقت تک بھی رہے۔ دکن کبھی ہند کو تکلیف نہ دیتا۔ اگر ہند دکن پر حملہ نہ کرتا۔ اگر اورنگ زیب راجپوتوں کو نہ ستاتا تو وہ اُسکے بھی اُسی طرح صادق جانثار بنے رہتے جسطرح کہ اُس کے بزرگوں کے ساتھ بنے رہتے تھے۔ راجپوتوں کو تعصب سے سخت نفرت تھی وہ صرف کھلے بندوں رہنا چاہتے تھے۔ اُن کی مراد یہ تھی۔ کہ چاہے اُنہیں میدانِ جنگ میں کٹوا دو لیکن اُن کے رسم و رواج سے تعرض نہ کرو۔ اورنگ زیب نے دوسروں کے حقوق کو کبھی بھی عزت و توقیر کی۔ اورنگ زیب کی حملہ کارروائیوں متعلقہ دکن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اُس نے دکن کو دارالحرب نہیں بنانا چاہا۔ بلکہ دارالسلام

اگرچہ اُس نے ہندوؤں کے میلوں اور تیوہاروں کے ٹیکس معاف کر دیئے لیکن اُنپر ایک ایسا زبردست اور ناقابلِ برداشت ٹیکس از سرِ نو لگا دیا جو اُن کو کسی طرح گوارا نہ ہوا۔ وہ ٹیکس جذیہ تھا۔ جذیہ کی حقیقت ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

"جسوقت عرب میں اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اس وقت اُس میں عیسائی اور یہودی بکثرت رہتے تھے۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کرنا نہیں چاہا اُن پر رسول عربی نے ایک ٹیکس لگا دیا۔ اور اُس کا نام جذیہ رکھدیا عیسائیوں اور یہودیوں کے پیشواؤں نے اُسے قبول کر لیا۔ اگرچہ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں اور باتوں میں کشمکش جاری رہی۔ لیکن غیر مسلمان اپنے وعدہ پر صادق رہے۔ جب رسول عربی کی وفات پر اُن کے جانشین خلیفہ ابوبکر ہوئے۔ تو اُنہوں نے جذیہ کے عہد و پیمان کو اُسی طرح

کرکے حکم لگا دیا۔ کہ جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے وہ اس ملک سے نکل جائیں بلکہ جس ملک کو پسند کریں وہ سکونت کے لئے اُن کو اُس کے عوض میں دے دیا جائے۔ خیر قہراً و جبراً کچھ تو صوبہ یعنی ملک شام کو چلے گئے۔ اور کچھ نواح کوفہ میں جابسے۔ اس واقعہ کے چند سال بعد خیبر کے یہودی جو مدینہ سے شمال کو دو تین دن کی مسافت پر واقعہ ہے۔ اُنپر بھی یہی حکم لگایا گیا۔ ان لوگوں کو خود رسول عربی نے اپنی حیات میں فتح کیا تھا۔ مگر اس شرط پر رہنے دیا۔ کہ وہ پیداوار کا نصف مسلمان حکمران کو خراج میں دیا کریں۔ اب اُن کو کچھ روپے دے کر ملک شام میں بھیجدیا گیا۔ (دیکھو۔ خلافت اور اسکا عروج وزوال مصنفہ سر ولیم میور کے سی ایس۔ آئی کا صفحہ ۱۵۵-۱۵۶)

غرض جزیہ کے جاری کرنے کے اسباب اور تاویلیں تو بہت سی پائی جاتی ہیں۔ مگر سب سے قوی وہ قول ہے۔ جو رسول عربی نے بستر مرگ پر اپنے رفیقوں سے کہا تھا کہ عرب میں سوائے اسلام کے اور کوئی دین نہ ہوگا فیروز شاہ تغلق نے اپنے مذہب کی پابندی میں ہندوستان کے غیر مسلمانوں پر جزیہ جاری کردیا۔ مگر اکبر نے اُسے موقوف کر دیا۔ اورنگ زیب ۱۴
نے اپنے عہد حکومت میں تخت نشینی کے بعد ہی جزیہ کو از سر نو زندہ کیا۔ بھلا جزیہ کو حفظ امن سے کیا تعلق ہے۔ اور حدود سلطنت کی وسعت دہی سے اُس کا کیا واسطہ ہے بلکہ یہ تو مذہب کی صریح حمایت تھی۔ میلوں اور تیوہاروں کے ٹیکس ہندوؤں کو زیادہ ناگوار بھی نہ تھے۔ کیونکہ وہ محض تہواروں کے موقعوں پر دیئے جاتے تھے۔ اور گراں بار بھی نہ تھے کیونکہ اُن کی مقدار قلیل تھی۔ یہ جزیہ تو ایک قسم کا جبر اور بار گراں تھا۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو اورنگ زیب کی ہندوؤں کے معبدوں کا گرا دینا تنگ گیری کی خاطر نہ تھا مگر گیری سے اور معبدوں کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ہندوؤں کو گویا تنہا ایک چھیڑ تھا۔ اورنگ زیب نے دوسری کارروائی ہندوؤں کا دل دکھانے کے لئے یہ کی۔ کہ سن سمت کی بجائے سن ہجری کو رواج دیا۔ اکبر کے زمانہ

میں لگان اراضی کے متعلق اور نیز دیگر امور سلطنت میں سن سمت کو دخل تھا۔ اُس کی تقلید شاہجہان کے وقت تک تو ہوتی رہی۔ لیکن اورنگ زیب کو جو سرتاپا غرق تعصب تھا۔ یہ امر کب گوارا ہو سکتا تھا۔ کہ مسلمان حکمران کی حکومت میں سن سمبت جاری رہے۔ اس لئے اُس نے اُسے سن ہجری سے بدل دیا

شیعہ فرقے کے ساتھ چھیڑ۔ خیر راجپوتوں اور دیگر ہندوؤں کیساتھ جو سلوک اورنگ زیب نے کیا۔ وہ ملک گیری پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن شیعہ جو مسلمان تھے اُن کے ساتھ جو سلوک کئے گئے۔ کیا وہ بھی ملک گیری پر محمول کئے جا سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں جہاں تک ہو سکا۔ اورنگ زیب نے اپنے تعصب کو خوب ہی ظاہر کر دکھایا۔ فرقہ شیعہ جو ایرانی نژاد تھا۔ اکبر کا پشت پناہ تھا۔ ہر موقعہ پر اُس نے بڑی جانثاری کا ثبوت دیا۔ اورنگ زیب نے اس جماعت کے لوگوں کی قدر نہ کی۔ اُدھر تو راجپوتوں سے بگاڑ کر بیٹھا۔ اور اُدھر شیعاؤں کو بدظن کر دیا۔ شیعاؤں میں جشن نوروزی بڑی دھوم دھام کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ اس جشن کو مذہب سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ اُس سے لوگوں میں باہمی اتفاق اور میل جول کو بڑی ترقی ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ وہ فرقہ شیعہ کا جشن تھا۔ اس لئے اورنگ زیب نے اُسے توڑ دیا۔

اثنائے جنگ تخت نشینی میں اورنگ زیب کی ایک چال جب اورنگ زیب دارا کا تعاقب کر کے ملتان سے لاہور کو واپس آ رہا تھا۔ تو اُسے یقین واثق تھا۔ کہ راجہ جے سنگھ دہلی میں موجود ہے۔ لیکن امید و خیال کے خلاف راجہ جے سنگھ ہزار راجپوت لیکر اُس پر چڑھ آیا۔ چونکہ وہ شاہجہان کا خیرخواہ صادق تھا۔ اسلئے اُس کی حکومت کو بحال کرنا چاہتا تھا جس وقت کہ راجہ جے سنگھ سے اورنگ زیب کا مقابلہ ہوا۔ تو اُس نے خیال کیا۔ کہ لڑنا بھڑنا بیکار ہے۔ فوج تھکی ماندی ہے۔ لاؤ باتوں ہی میں اگر کام نکل جائے۔ تو اچھا ہے۔ بس اُس نے راجہ کو دیکھتے ہی نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ کہ راجہ بہادر کی جے راجہ بہادر کی جے" اور اُس کے پاس پہنچکر کہنے لگا۔ کہیں آپ کا بے چینی کے ساتھ منتظر تھا۔ جنگ ختم ہوگئی۔ دارا تنہا در بدر پھر رہا ہے" اور فی الفور اپنا

ہار راجہ کی گردن میں ڈالکر اُس سے یوں مخاطب ہوا - کہ "آپ لاہور چلے جائیں شاید وہاں بغاوت نہ ہو جائے - کیونکہ میری فوج تھکی ماندی ہے میں تمہیں وہاں کا حاکم اور مختار کل بناتا ہوں - ہم پھر جلد ملیں گے - لاہور جلد چلے جاؤ سلامت باشید - الوداع" اورنگ زیب کی یہ چاپلوسی راجہ کے دل پر اثر کر گئی - وہ موم ہو گیا - اور وہ راضی ہو کر لاہور کو چلدیا - نہ صرف آپ ہی اورنگ زیب کا طرفدار ہو گیا - بلکہ اُس نے راجہ جسونت - والئی مارواڑ کو بھی دارا کی طرفداری سے ہٹا کر اورنگ زیب کا طرفدار بنا دیا

اورنگ زیب کی ریاضت اورنگ زیب خود ٹوپیاں بنا کر اپنی گذر اوقات کیا کرتا تھا - اور ٹوپیوں کو درباری مول لے لیتے تھے - وہ خزانہ شاہی کے روپیہ خریدی ہوئی کوئی شے نہیں کھاتا تھا - عمر بھر میں دو دفعہ قرآن اپنے ہاتھ سے لکھا - اور مکہ اور مدینہ نذر کے طور پر بھیجا - خود بھی قرآن کا حافظ تھا - صوم و صلوات کا پابند تھا - رمضان میں روزے رکھتا - اور قرآن سناتا - جمعہ کے روز بھی روزہ رکھتا - اور جامع مسجد میں نماز پڑھتا تھا - امام ابو حنیفہ کا پیرو تھا - ایسے کپڑوں سے پرہیز رکھتا تھا - جو شرعاً ممنوع تھے - غصہ میں قتل کا فتوے نہیں صادر کرتا تھا - خود ناظم و ناثر تھا - مگر اخلاقی نظم سنتا تھا - غیبت سے نفرت رکھتا تھا - مگر حج اس خوف سے نہیں کیا کہ وہ سلطنت جسے اُس نے بڑی جان جوکھوں سے حاصل کیا تھا - کہیں غیر حاضری میں اُس کے قبضے سے نکل نہ جائے

اورنگ زیب کی ریاضت کا ایک واقعہ نہایت مشہور ہے - جب ۱۶۶۵ء میں ہندوستان میں دم دار ستارا نظر آیا - تو اُس نے چار ہفتے صرف پانی اور باجرے کی روٹی پر گذر کی - حیوانی غذا کو نہیں چھوا - گوشت اور دودھ سے پرہیز کیا اور شیر کی کھال بچھا کر زمین پر سویا -

اورنگزیب کی مذہبی اور سیاسی عقل - اورنگزیب کو مذہبی معاملات کیساتھ بیحد دلچسپی اور سرگرمی تھی - امور سلطنت میں اُس کی سوجھ بوجھ اچھی تھی - اور ذوق شوق بڑھا ہوا تھا - گویا مذہبی امور میں دیوانہ اور امور سلطنت میں

عاقل و فرزانہ تھا۔

اورنگزیب کی رائے شاہزادوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں اورنگزیب کی رائے تھی۔ کہ "شاہزادے جسطرح لیاقت اور رتبہ میں دوسروں سے افضل ہوتے ہیں اُسی طرح اوروں سے عقل و دانش اور نیکی میں بھی برتر ہوں ایشیا کی سلطنتوں کے مصائب و زوال میں شاہزادوں کی ناقص تربیت بھی بہت کچھ حصہ لیتی ہے۔ اُن کی پرورش غلاموں اور خواجہ سراؤں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ جن کے خیالات نہایت درجہ پست ہوتے ہیں۔ اور بہت برا اثر ڈالتے ہیں۔ اسلئے اس لئے شاہزادے بڑوں کا خوف تو کرتے ہیں مگر بے موقع اور چھوٹوں پر تو بیحد زور چلاتے ہیں۔ جو اکثر موجب مضرت ہوتا ہے۔ شاہزادے عوام الناس کی صحبت اور دربار کے باوقار موقعوں سے دور رہتے ہیں۔ اس لئے جب وہ محلوں کی چار دیواروں سے نکلکر تخت پر جلوہ فگن ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ دوسرے ملک سے آئے ہیں۔ یا کسی غار میں سے نکال کر تخت شاہی کے اوپر بٹھا دیئے گئے ہیں اور اپنے اردگرد کی چیزوں سے سخت حیران و پریشان ہوتے ہیں"۔ (از برنیر صفحہ ۱۴۴-۱۵۴)

جب اورنگزیب کی تخت نشینی کے بعد اُسکا اُستاد انعام و اکرام کی امید سے اُس کے دربار دہلی میں حاضر ہُوا۔ تو اُس نے اُس سے اسطرح باتیں کیں۔

کیا میرے معلم کا یہ فرض نہ تھا۔ کہ وہ مجھے روئے زمین کی مختلف قوموں کے حالات سے واقف کرتا۔ اُن کے ذرائع قوت طریق جنگ عادات مذہب اور طرز حکومت کی مجھے تعلیم دیتا۔ تاریخی واقعات کی تعلیم کے ذریعہ مجھے سلطنتوں کے قائم ہونے کے حالات و اسباب بتاتا۔ اُن کے عروج و زوال حوادث اور کمزوریوں اور غلطیوں سے جن کے ذریعہ بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مجھے واقف بناتا۔ بادشاہوں کے لئے ہمسایہ قوموں کی زبان کی تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے۔ تم نے مجھے صرف عربی زبان کی تعلیم دی۔ اور ایک ایسے کام میں پھنسا دیا۔ جس کے دس بارہ سال سے کم میں ختم ہونے کی امید

نہیں ہو سکتی مجھے وہ مضامین نہ پڑھائے۔ جو بادشاہوں کی تعلیم کے لئے ضروری ہیں بلکہ صرف ونحو کی تعلیم دی۔ اور ایسا علم بہت کچھ پڑھایا جس سے ہیں اُستاد شروع بن گیا۔ اور اسی طرح میرے بچپن کو ایسے بیکار شغل میں تمام کر دیا جن میں سوائے الفاظ یاد کرنے کے اور کچھ کام ہی نہ تھا۔ کیا تم کو مجھے یہ نہیں سکھانا چاہئے تھا۔ کہ حاکم و محکوم کے تعلقات اور فرائض کیا ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہ تھا۔ کہ ہندوستان کے شاہی خاندان کی بری رسم کے موافق مجھے اپنے بھائیوں سے تلوار لے کر جنگ کرنی پڑے گی۔ تم نے مجھے فن حرب کی تعلیم نہ دی۔ اور نہ یہ بتایا۔ کہ قلعوں کا محاصرہ کیسے کرتے ہیں میدان جنگ میں فوج کیسے آراستہ کی جاتی ہے۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ میں نے تم سے بھی زیادہ عاقلوں سے مشورہ کیا۔ جاؤ یہاں سے جاؤ اور اب سے یہ نہ کہنا کہ میں کون ہوں۔ یا کیا ہو جاؤں گا۔ (از برنیر صفحہ ۱۵۵ - ۱۶۱) اورنگزیب کی رائے شاہزادوں کی تعلیم کے بارے میں نہایت درست تھی۔ کیونکہ شاہزادوں کا تجربہ تخت نشینی سے پہلے عوام الناس کے تجربہ سے کہیں زیادہ ہونا چاہیئے جب تک فرمانرواؤں کو پبلک لائف سے سابقہ نہ پڑیگا۔ بہت سے امور اُن کی نگاہوں سے ہرگز رہ جائیں گے۔ جب تک اُن کے دماغ مخزن الوزد و قائق نہ بن سکیں گے۔ وہ حکمرانی کے قابل ہی نہ رہ سکیں گے۔ اور اپنے فرائض کی تکمیل و انجام دہی میں بالکل قاصر رہیں گے۔

اورنگ زیب کو فرض منصبی کا خیال جاگیرداروں اور اُمرا نے اُس سے ایک مرتبہ التجا کی کہ وزارت امور سلطنت میں غرق رہنے سے خرابی صحت کا احتمال ہے۔ تو اُس نے اُنہیں جواب میں یوں کہا کہ "مجھے خدا نے دنیا میں نہ صرف اپنے ہی لئے بلکہ دوسروں کے لئے زندہ رہنے اور حکومت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ میرا فرض ہے کہ دوسروں کی بہبودی کا خیال رکھوں بلکہ جہانتک میری بہبودی کا رعایا کی بہبودی سے تعلق ہے اُسے روا رکھوں" (از برنیر صفحہ ۱۲۹ - ۱۳۰)

اورنگ زیب نے ایک خط میں اپنے باپ کو لکھا ہے۔ کہ بادشاہ کیسا ہونا چاہیئے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ "خداوند قادر مطلق اُن ہی لوگوں کو اپنا امین مقرر کرتا ہے۔ جو لوگوں کی حفاظت اور بہبودی کے فرض کو ادا کرتے ہیں عقلمندوں کی رائے ہے۔ کہ بھیڑیا گلہ بانی نہیں کر سکتا۔ اور کمزور دل امور سلطنت کو انجام نہیں دے سکتا۔ بادشاہی لوگوں کی سرپرستی اور اتالیقی ہے نہ کہ نفس پرستی اور فضول خرچی"۔

ایک اور خط میں اُس نے اپنے باپ کو لکھا ہے۔ کہ "اگرچہ فتوحات ملکی بادشاہت کی عظمت کی دلیل نہیں ہیں۔ اور میرا فتوحات نہ کرنا تیمور اعظم کی نسل کی حقارت کرتا ہے۔ مگر میں نازیبا افعال سے بدنام نہیں ہونا چاہتا بڑے فاتح بڑے بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ فتوحات تو وحشیوں نے بھی کئے ہیں سب سے بڑا بادشاہ وہ ہے۔ جو انصاف سے حکومت کرنا جانتا ہے"

ایک مرتبہ ایک امیر کبیر نے جسے اورنگ زیب کی باریابی کا زیادہ تر شرف حاصل رہتا تھا۔ اورنگ زیب کی مصروفیت امور سلطنت دیکھکر اُس سے عرض کی کہ اس سے حضور کے دماغ اور جسم کے کمزور ہو جانے کا اندیشہ ہے اورنگ زیب نے برجستہ جواب میں کہا۔ کہ "جہاں تک میرے شاہی فرائض کا رعایا کے ساتھ تعلق ہے۔ مجھے اپنی مسرت اور تندرستی کا خیال نہ کرنا چاہیئے بلکہ رعایا کے آرام اور خوش اقبالی پر سب چیزوں کو تصدق کر دینا چاہیئے لیکن اس وقت نہیں جبکہ انصاف کا تقاضا۔ شاہی حکومت کا قائم رکھنا اور سلطنت کا استحکام ضروری ہو"

اگرچہ اورنگ زیب نے اپنے فرائض منصبی کو ایک حد تک ضرور انجام دیا لیکن وہ بات تو اس سے نہ ہو سکی۔ جسکا چاروں امور مذکورہ بالا میں اُس نے اپنی زبان سے اقرار کیا تھا۔ اُس نے تندہی کے ساتھ امور سلطنت کی تکمیل کی۔ مگر رعایا کی بہبودی کا خیال اُسے اس قدر نہ تھا جس قدر کہ اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کا۔ اگرچہ اُس نے فضول خرچی نہیں کی۔ مگر رعایا کی گلہ بانی سرپرستی اور اتالیقی کو پوری طرح انجام نہ دے سکا۔

اگرچہ اپنی کمزور طبیعت ہونے کا منکر ہے۔ لیکن دراصل تھا وہ کمزور طبیعت بھلا جو شخص کہ اپنی خواہشوں کے دام میں پھنس جائے۔ وہ کمزور طبیعت نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ نازیبا افعال سے بدنام نہیں ہونا چاہتا۔ بلکہ انصاف سے حکومت کرنے کا خواہشمند تھا۔ جذبہ از سر نو قائم کرنا وفادار راجپوتوں اور شیعاؤں کو بدظن کر دیتا۔ بھائیوں سے دغا کرنا کسی کا اعتبار نہ کرنا کیا یہ باتیں موجب نیک نامی اور انصاف کی حکومت کہلائی جانے کی مستحق ہیں۔ ہمیں اُس کے اس جملہ پر بیحد افسوس ہے کہ "رعایا کے آرام اور خوش اقبالی پر سب چیزوں کو تصدق کر دینا چاہیے"۔ نہ معلوم کہ اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہان کے مقابلہ میں اُس نے کون کون سی چیزیں رعایا کے آرام اور خوشی پر تصدق کیں!! دراصل کہنا کچھ اور ہوتا ہے اور کرنا کچھ اور ہے کسی کام کا کرنا کار دارد"

ایک حکیم کا قول ہے۔ کہ نفس پرست کمزور طبیعت ہوتے ہیں اور نفس پرستی نفس کی خواہش کا پورا کرنا ہے" اگر اس قول کو اورنگزیب کی زندگی کے واقعات پر منطبق کیا جائے۔ تو اُس کی ساری زندگی اس قول کا عکس ثابت ہوگی نہ کہ مصداق۔ اسی لئے مؤرخوں کی یہ رائے بہت ہی درست ہے کہ اورنگزیب کے قول و فعل میں تطابق بالکل نہیں پایا جاتا

اورنگزیب نے حکمرانی کے اصل معنی کا ثبوت اپنی روزمرہ کی زندگی سے کہیں کہیں دیا ہے۔ چنانچہ بمبئی کے انگریز سوداگروں نے اُس کی تعریف کی ہے کہ اورنگزیب انصاف کا سمندر ہے دیکھو تاریخ اورنگزیب صفحہ ۱۹۸ اور اس امر کی تصدیق ڈاکٹر کریری نے بھی کی ہے جسے ۱۶۹۵ء میں اُس کی حضور میں باریابی کی عزت حاصل ہوئی تھی۔ فی الحقیقت انسان کا کوئی فعل ہو خواہ نیک نیتی کا خواہ بدنیتی کا۔ مگر یہ ممکن نہیں۔ کہ وہ اپنا رنگ نہ پیدا کرے۔ چنانچہ جہاں کہیں اورنگزیب نے نیک نیتی سے کام لیا۔ وہاں اُس کی نیک نیتی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور جہاں بدنیتی کو کام میں لایا۔ وہاں بددیانتی ظاہر ہوتی ہے

اورنگ زیب کا کام رعایا کی بہبودی کیلئے اورنگ زیب نے تخت نشینی کے بعد ہی کر دی۔ ۸۰ ٹیکس یعنی محصول توڑ دیئے۔ ان میں کچھ ٹیکس تو اُس نے شرعاً توڑے۔ مثلاً شراب خانوں کا ٹیکس چکلہ خانوں کا ٹیکس اور بعض محصول محض حاجتمند رعایا کی خاطر توڑے۔ مثلاً ہندوؤں اور مسلمانوں کے میلوں کے ٹیکس مسافر خانوں کے ٹیکس۔ دریا پار اُترنے کا ٹیکس مکانوں اور دکانوں کی زمین کا ٹیکس لیکن اس بارے میں اُس سے ایک بڑی بھاری غلطی سرزد ہوئی۔ جس کے باعث رعایا کو ان محصولات کے توڑ دینے سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ تاریخ خافی خاں جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ - ۲۴۸ میں لکھا ہوا ہے کہ اگرچہ اورنگ زیب نے رعایا پر سے بہت سے محصول معاف کر دیئے۔ لیکن حکام رعایا سے اُن محصولوں کو برابر وصول کرتے رہے جب اورنگزیب کو اس خلاف ورزی کا حکم ہوا۔ تو اُنہیں سزائیں دی گئیں مگر وہ تھوڑے ہی دن بعد رہا کر دیئے گئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ افسروں کے دل سے اُسکا خوف اُٹھ گیا اور بدنظمی پھیل گئی۔ لوگوں کو کچھ عبرت حاصل نہ ہوئی۔ اور رعایا کے سر سے بار مطلق کم نہ ہوا اور اورنگزیب کی ہمدردی اور خیال بہبودی کا عدم وجود یکساں رہا۔ بلکہ ایک طرح تو سارا قصور اورنگ زیب ہی کے سر رہتا ہے اور اس واقعہ سے اُس کی کمزور طبیعت کے ہونیکا پورا پورا ثبوت ہو جاتا ہے

اورنگ زیب بے اعتبار شخص تھا۔ اورنگ زیب نے اپنی بے اعتباری سے خواہ اپنے کو اور نیز دوسروں کو نقصان پہنچایا۔ اُس کی بے اعتباری کے ثبوت میں ہم چند واقعات نقل کرتے ہیں

(۱) اورنگ زیب کی نسبت شاہجہان کی رائے ہے کہ اگرچہ اورنگزیب میدان کارزار اور صلاح و مشورہ میں اعلٰے درجہ کی قابلیت رکھتا ہے۔ لیکن اوسے کسی شخص پر اعتبار نہ تھا۔

(۲) اورنگ زیب کھانا جو اُس کے لئے پکایا جاتا تھا پہلے دوسروں کو کھلایا کرتا تھا۔ جب آپ کھاتا تھا۔ بیماری میں جو چیز کہ طبیب

تجویز کرتے۔ وہ پہلے خود اُنہیں کہلائی جاتی تھی۔ اسی باعث اُس نے جاسوس مقرر کئے تھے جنکو وقائع نویس کا لقب دیا گیا تھا وہ شہر بشہر پھرتے رہتے اور ذرا ذرا مخفی باتیں اورنگزیب کو لکھ بھیجتے تھے (تاریخ اورنگ زیب صفحہ ۱۴۰)

(۳) اورنگ زیب کا قول تھا۔ کہ ایرانیوں میں سے اُمرا مقرر ضرور کئے جائیں مگر جہاں اُن کی جاگیریں ہوں وہ وہاں نہ رہنے پائیں۔ جب وہ جنگ پر بھیجے جائیں۔ یا صوبوں کے انتظام پر مامور کئے جائیں۔ تو اُن کے بال بچے دربار میں زیر نگرانی رہیں۔ تاکہ اُمرا بغاوت نہ کرسکیں (از ہیوا کاؤنٹ آف انڈیا صفحہ ۱۹۵ مصنفہ ڈاکٹر جان فرایر)

(۴) مورخ انگلی جو یورپین مورخوں میں اورنگ زیب کا بڑا ہی مداح اور ثنا خواں تھا۔ لکھتا ہے کہ اورنگ زیب رحمدل تھا۔ لیکن اُس کی نفس کشی انجام فرائض۔ انصاف رعایا کے ساتھ ہمدردی رکھنے سے بھی اُسے کچھ نفع نہ ہُوا۔ کیونکہ اُسے کسی شخص کی ذات پر اعتبار نہ تھا۔

(۵) اورنگ زیب جیسا کہ نمک حرام اور دغاباز امیروں کیساتھ سلوک کرتا تھا۔ ویسا ہی بیٹوں کے ساتھ بھی چنانچہ ذرا سے شبہ کے اوپر اُس نے بڑے بیٹے کو عمر بھر اور اُس سے چھوٹے کو ۷ سال قید خانہ میں رکھا اورنگ زیب کی بے اعتباری کے باعث اُس کے چھوٹے بیٹے اکبر نے باغی ہوکر راجپوتوں سے ساز کرلیا۔ اور شاہزادے اعظم نے اُسکے جانشین کے خلاف سازش کی۔

اورنگ زیب کی سیاسی غلطیاں (۱) اورنگ زیب میں ایک یہ بھی نقص تھا۔ کہ برخلاف اپنے بزرگوں کے رعایا سے لیتا بہت کچھ تھا مگر اُن کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کرتا تھا جسمیں شاہی شان وشوکت کا اظہار ہو۔

(۲) اگرچہ اورنگ زیب کی سخت عابدانہ اور زاہدانہ عادتیں خلوت میں چل سکتی تھیں۔ مگر دربار میں نہیں جہاں اکبر کے زمانہ سے لے کر شان و شوکت نصف النہار پر پہنچ چکی تھی۔ لیکن اورنگ زیب نے شان وشوکت کو دربار سے بالکل اٹھا دیا۔ اس سے لوگوں میں طرح طرح کے شکوک پھیل گئے

(۲) اورنگزیب نے تخت نشینی کے کچھ عرصہ بعد بیش قیمت لباس پہننا ترک کردیا۔ جو ایسے جلیل القدر فرمانروا کی شان کے شایاں تھا اس سے وہ غیر ملک کے ایلچیوں کی نگاہ میں نہ سما سکا۔

(۳) شاہجہان نے آگرہ اور نیز دہلی سے پایہ تخت شاہجہان آباد یعنے نئی دلی میں مقرر کیا۔ اورنگزیب نے اس رسم کی تقلید کی اس سے آگرہ اور دلی کی شاہی عمارتیں ویران ہوگئیں اور رعایا کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب بادشاہ کو خود اپنے بزرگوں کی یادگاروں کے قائم رکھنے کا کچھ خیال نہیں رہا۔ تو ان کی اُسے کیا فکر ہو سکتی ہے

(۴) اورنگزیب نے رقص و سرود شرعاً بند کردیا۔ اگرچہ اُس کے اطوار کی خلوت سے رقص و سرود کبھی نہ اُٹھا۔ مگر دربار شاہی سے یہ رونق اُٹھا دی گئی۔ پولیس مقرر کی گئی۔ کہ بازار اور شارع عام پر رقص و سرود نہونے پائے۔ ایک دن اورنگزیب نے دیکھا۔ کہ ایک جنازے کے آگے آگے گویئے گاتے جلتے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا۔ کہ راگوں کا بادشاہ مر گیا اور وہ ماتم کرتے ہوئے اُسے دفن کرنے جلتے ہیں اورنگزیب نے حکم دیا کہ جلد اور اس قدر گہرا دفن کیا جائے کہ پھر لوٹ کر نہ آسکے اگرچہ اُسنے شرع کی رو سے رقص و سرود کو بند کردیا۔ لیکن امور سیاسی کی رو سے یہ بڑی بھاری غلطی تھی۔ شرع اور امور سیاسی دو جداگانہ باتیں ہیں اسمیں دو خرابیاں تھیں ایک تو ایک فرقہ کے ہزاروں لوگوں کا ذریعہ معاش جاتا رہا دوسرے دربار کی رسم جو بہت سے امرا کو پسند تھی۔ اوٹھا دی گئی الغرض وہ گروہ کے لوگوں کو آزردہ خاطر اور بدظن کیا گیا۔ اور اگر شرع ہی کو دیکھا جائے تو عرب میں دف کے اوپر گانا اور دف بجانا مسنون سمجھا جاتا ہے مگر اورنگزیب کے حکم میں کوئی استثنا بھی نہیں پایا جاتا مذکورہ بالا واقعہ تاریخ خافی خان مؤلفہ و مرتبہ مسٹر الیٹ و مسٹر والٹسن کی جلد ۷ صفحہ ۳۸۳ - ۳۸۰ میں درج ہے

(۵) مغل بادشاہوں میں دستور پڑ گیا تھا۔ کہ وہ جھروکہ میں بیٹھ کر دربار عام کیا کرتے تھے جو کوئی دو گھنٹے تک رہتا تھا۔ اور اس وقت شاہی اصطبل

کے ہاتھی گھوڑے اور اونٹ وغیرہ معہ جھولوں کے بادشاہ کے سامنے سے گذرتے اور سوار کی تحریک بجالاتے تے۔ بادشاہ خود درخواستیں سنتا اور انصاف کرتا تھا۔ امرا۔ قاضی اور وزرا گرد و پیش جمع رہتے تے۔ شام کو خلوت میں امرا اور سردار بلائے جاتے تھے۔ اور اہم معاملات کی اطلاعیں ہوتی تہیں۔ احکام صادر کئے جاتے تے اورنگ زیب نے خلوت میں کاروبار توجاری رکھا۔ مگر جھروکہ پر سے دربار عام کرنا اور جائزہ لینا ترک کردیا صرف جلوداروں کا جائزہ ضرور لیا جاتا تھا جنکے نشانوں پر شاہی عقاب۔ نقرئی مچھلی یا تتہ اور ترازو شیر اور مگرمچھ کی تصویریں ہوتی تہیں یہ بھی اُس کی بڑی غلطی تھی۔ کیونکہ اس سے عوام الناس کی دادرسی اچھی طرح نہیں ہوسکتی تھی۔ اگرچہ اس سے اورنگ زیب کی خدا پرستی میں خلل آتا تھا۔ تو جہانگیر کی عیش پرستی اور شراب نوشی میں بھی فرق پڑتا تھا اس معاملہ میں تو اورنگ زیب سے جہانگیر بدرجہا اچھا تھا۔ جو باوجود شرابی ہونے کے بھی جھروکہ میں آکر دربار کیا کرتا تھا۔ بلکہ اُس نے اپنی خلوت گاہ میں ایک گھنٹی لٹکا رکھی تھی جسے ہر مظلوم جاکر بجا سکتا۔ اور اپنے ظلم کی داد حاصل کرسکتا تھا جب جہانگیر شراب کے نشہ میں بالکل چور ہوتا تھا۔ تو نورمحل اُسکا ہاتھ پکڑے ہوئے اور سنبھالتی ہوئی اُس کے عیش و عشرت سے دربار آیا کرتی تھی الغرض جہانگیر نے بھی دربار کی حاضری کو عیش و عشرت پر ترجیح دی (دیکھو مغلیہ دربار مصنفہ مسٹر ولسن)

(۶) جب پایہ تخت پرانی دلی میں تھا۔ تو صنعت و حرفت بھی وہاں زوروشور پر تھی۔ اور اس کا اثر اب تک دلی میں پایا جاتا ہے صنعت و حرفت اگرچہ بیکسی کی حالت میں ہے۔ مگر اب بھی خاصی ہے یہ محض بادشاہوں اور اُمرا کی قدردانی کا نتیجہ ہے۔ صنعت و حرفت کی رواج کی تائید میں ہم ایک ایسے واقعہ کو اس موقعہ پر درج کرتے ہیں جس کی مثال مسلمان فرمانرواؤں کی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔ سالگرہ کے موقعہ پر شاہی محل میں امیروں اور سرداروں کی بیگموں کا مینا بازار لگایا جاتا تھا جس میں بڑے بڑے خاندانوں

کی مستورات کی بنائی ہوئی پگڑیاں۔ چنچے۔ ٹوپیاں۔ صدریاں وغیرہ نمائش کے طور پر رکھی جاتی تہیں۔ ان چیزوں پر زربفت کا نفیس کام ہوتا تہا۔ اور بادشاہ کی ملکہ یا شاہی خاندان کے لوگوں کی بیگمات خریدتی تہیں۔ امیر کبیر خاندانوں کی مستورات مینا بازار کی چیزوں کی فروخت کرنے پر مقرر کی جاتی تہیں۔ وہاں اعلےٰ خاندانوں کے مردوں کو جانے کی اجازت تہی مگر عورتیں منہ پر نقاب ڈالے رہتی تہیں صرف بادشاہ کو بحیثیت خلیفہ رسول عربی اُن عورتوں کے بے نقاب نظارہ کی اجازت تہی بیچنے والیوں کو اپنا حسن وجمال اور شعور وتمیز دکھانیکا خوب ہی موقعہ ملتا تہا۔ اس میں دو فائدے تہے۔ ایک تو شریف گہروں کی عورتوں کو کچہ نہ کچہ صنعت وحرفت آجاتی تہی جس کے باعث وہ خود مختارانہ طور پر کچہ نہ کچہ گذراوقات کے لئے پیدا کرلیتی تہیں۔ اور اس کا اثر عوام الناس پر بہی اچہا پڑا۔ یہانتک کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا عقد لکہے پڑہے لوگوں کے مقابلہ میں دستکاروں سے کرنے لگے۔ اسی طرح جو دستکاری سے نابلد ہوتا تہا۔ اُسکے ساتہہ کوئی اپنی بیٹی کا عقد کرنے پر آمادہ نہ ہوتا تہا۔ اس رسم کا اثر اسقدر تو دہلی آگرہ لکہنو میں اب بہی باقی ہے کہ شریف مگر مفلوک الحال خاندانوں کی مستورات زردوزی۔ ریشم کہولنے۔ تارکشی۔ چکن کاڑہنے اور گوپیاں بنانے کے کام سے اپنا پیٹ پال رہی ہیں۔ دوسرا فائدہ اس مینا بازار سے یہ ہوتا تہا۔ کہ خوبصورت اور باتمیز عورتوں کی شادی اچہے خاندانوں اور اکثر شاہی خاندانوں میں ہوجایا کرتی تہی۔ یہ مینا بازار اکطرح پر تو اچہے گہروں کی مستورات کے شعور وتمیز کے لئے ایک کسوٹی تہی اورنگزیب چونکہ شرع کا پابند تہا۔ اُس نے اس رسم کو بہی اوڑا دینا چاہا۔ مگر شاہی خاندان کی مستورات نے اُسے اس حرکت سے مشکل روکا شاہجہان آباد کو پایہ تخت قرار دینے سے دلی کی صنعت وحرفت کو بہت کچہ نقصان پہنچا۔ اورنگزیب کی دور اندیشی جو دراصل دور اندیشی نہ تہی۔ اُس کی دستبرد سے دلی کی صنعت وحرفت بہی نہ بچ سکی۔

صنعت وحرفت بغیر کسی ملک کے باشندے آزادانہ طور پر روزی نہیں کما سکتے۔ بلکہ قومی عظمت کا دارمدار ایک طرح پر تو زیادہ تر صنعت وحرفت ہی کے اوپر ہے تجارت جو سب سے بڑا ذریعہ دولت وعظمت کا سمجھا جاتا ہے وہ دراصل صنعت وحرفت کا محتاج ہے۔ جب کسی ملک میں صنعت وحرفت کا وجود نہ ہوگا۔ تو تجارت کہاں سے پیدا ہو جائیگی جس ملک کے باشندے صنعت وحرفت سے بے بہرہ ہیں وہ روزمرہ کی زندگی کی ضروریات کے لئے دوسری قوموں کے محتاج اور دست نگر رہتے ہیں اس لئے جو قوم اور جو ملک اپنی ضروریات کو اپنے ہی ہاتھوں سے رفع کر سکتا ہے وہ ضرور شان وعظمت اور دولت کی فرمانروائی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں صنعت وحرفت محض برائے نام ہے یہاں کے لوگ ذرا ذرا سی باتوں کے لئے دوسرے ملک والوں کے محتاج ہیں۔ بڑی بڑی ضروریات کو بھی چھوڑ کر وہ ذرا ذرا سی ضرورتیں اپنے ہاتھوں سے رفع نہیں کر سکتے۔ سوئی۔ دھاگہ بٹن یہ تو بہت ہی ادنے اور جہ کی صنعت ہے مگر یہ چیزیں جیسی اچھی اور سستی اور ملک والوں کے ہاں بنتی ہیں۔ ہندوستان میں نہیں بنائی جا سکتی ہیں ہم جن چیزوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ یورپ والے اُن ہی سے بڑی بیش قیمت اشیا تیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً ہڈیاں جن کی ہندوستان والے بالکل قدر نہیں کرتے۔ یورپ والے اُس سے وہ وہ چیزیں بناتے ہیں کہ بایدوشاید۔ ان ہی ہڈیوں کے مضبوط اور عمدہ ٹکڑوں سے چاقو۔ چھری اور دیگر آلات کے دستے بنائے جاتے ہیں۔ بٹن بناتے ہیں۔ ناکارہ ٹکڑوں کو پیسکر اُس سے فاسفورس بناتے ہیں جو ایک نہایت بیش قیمت دوا ہے فاسفورس دیا سلائی بنانے کے کام میں آتی ہے۔ وہ کمزوری اور جریان سے امراض کا علاج سمجھی جاتی ہے فاسفورس کے کھالنے کے بعد جو فضلہ رہ جاتا ہے اُسے انڈے کی سفیدی میں حل کر کے کلف کے کام میں لایا جاتا ہے یا اُس فضلہ کا کھیتوں میں کھاد ڈالتے ہیں جو نہایت زرخیز ہوتا ہے اس کے علاوہ اور بہت سی چیزیں بناتے ہیں۔ پتھر کے کوئلہ سے گیس بناتے ہیں۔ جو روشنی کا کام دیتی ہے۔ تیل

بھی بنایا جاتا ہے۔ جو قدرتی نیل سے ہر طرح اچھا ثابت ہوا ہے مختلف قسم کے رنگ بھی بنائے جاتے ہیں۔ اُس کا فضلہ جسے تارکول کہتے ہیں اگر اُسے مکانوں کی دیواروں میں لگایا جائے۔ تو دیواروں میں لونی نہیں لگتی اگر لکڑی میں لگایا جائے۔ تو لکڑی سڑتی گلتی نہیں اور نہ اُس میں گھن اور دیمک لگنے پلتے ہیں ہندوستان کی صنعت و حرفت کا تو یہ حال ہے۔ اب رہی تجارت سو وہ اُن ہی چیزوں کی ہے۔ جو دوسرے ملک والوں کی بنائی ہوئی ہیں یا اپنے ملک کی پیداوار میں سے روئی رتیل۔ غلہ وغیرہ کی تجارت سمجھو۔ مگر یہ تجارت بھی ایک قسم کی آڑہت ہے۔ دراصل تجارت نہیں تجارت اُسے اُسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ اس ملک کی پیداوار سے یہاں کے باشندے اپنی ضرورت کی تمام چیزوں کو تیار کر سکیں۔

تلا وان اورنگزیب نے سیاسی امور میں ایک عقلمندی یہ کی کہ تلاوان کو قائم رکھا۔ اگرچہ یہ رسم ہندؤں کی رسم تھی۔ اور شرعاً مسلمانوں میں ناجائز سمجھی جاتی ہے لیکن اکبر نے سیاسی امور کے لحاظ سے اُس کو رواج دیا۔ اس سے سب میں بڑا فائدہ تو یہ ہوتا تھا۔ کہ بہت سے غربا اور مساکین اور حاجتمندوں کے کام چل جاتے تھے جس کے باعث بادشاہ کو ایک گونہ ہردلعزیزی حاصل ہو جاتی تھی۔ دوسرا فائدہ یہ تھا کہ بادشاہ کو ایک معقول رقم نذرانہ میں آجاتی تھی۔ یہ تلاوان بادشاہ اپنی سالگرہ کے دن کیا کرتے تھے۔ بادشاہ اپنی سالگرہ کے دن لباس فاخرہ پہنکر ایک ترازو کے ایک پلڑے میں بیٹھتا تھا۔ اور کئی بار غلہ اور دیگر اشیاء اور سونا چاندی سے تولا جاتا تھا۔ یہ چیزیں بعد کو مسکینوں کو تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ مغلیہ خاندان کے بادشاہوں کو تلاوان کے وقت کوئی دو لاکھ پونڈ یعنی تیس لاکھ روپیہ کا مال و زر نذر میں مل جاتا تھا۔ محض اس نفع کے خیال سے اورنگزیب نے تلاوان کی رسم کو قائم رکھا۔ کوئی ذرا بتلائے کہ اورنگزیب کی شرع نے اس تلاوان کو کیوں جائز رکھا۔ در اصل وہ پابند شرع نہ تھا۔ بلکہ اُس نے تو شرع کو اپنی خواہشوں کے پورا کرنیکا ایک ذریعہ بنایا تھا

اصول مملکت اصول مملکت میں اورنگزیب نے بڑی بڑی غلطیاں کھائیں اورنگزیب کی رعایا زیادہ تر ہندو تھی۔ اور اُس کے خیال کے موافق کافر۔ اُس کے باپ کے سپہ سالار اور معزز حکام ایرانی شیعہ تھے۔ اور ہندو اور شیعہ دونوں سنیوں سے سخت مخالفت رکھتے تھے۔ اگرچہ ان ہی دونوں کی امداد بغیر کاروبار سلطنت نہیں چل سکتے تھے۔ مگر اورنگزیب نے اُن دونوں سے بگاڑ کیا۔

اورنگزیب کسطرح راجپوتوں کو اپنا طرفدار بنا سکتا تھا۔ ایرانی شیعہ تعداد میں بہت تھوڑے تھے۔ لیکن راجپوتوں کی تعداد کثیر تھی اُنکا مسکن راجستان تھا اُن کی فرمانروا تعداد میں کوئی ایک سو کے قریب تھے۔ اور ان میں سے بعض تو ۲۰ ہزار سوار میدان جنگ میں لا سکتے تھے۔ راجپوت پیدائشی بہادر تھے۔ اور اپنے خاندانی وقار اور اپنے حکمران کی خاطر بے خطر جان دیدیتے تھے۔ اُنکی جنگ قابل یادگار ہوا کرتی تھی۔ اگر وہ سب یکدل ہوجاتے تو مغل فوج کچھ نہ کرسکتی بلکہ ہندوستان میں کبھی کسی دوسری قوم کے قدم نہ جم سکتے۔ مگر اُن میں آپس میں پھوٹ تھی۔ وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ برسرپیکار رہا کرتے تھے۔ اُن کی جنگجو طبیعتوں کو کوئی مشغلہ پسند نہ تھا۔ مگر خونریزی۔ اس لئے اکبر نے اُن کو اپنا طرفدار بنانا شروع کیا۔ اُن کو فوج کی سپہ سالاری پر مقرر کیا۔ تاکہ معیشت اور جنگی مشغلہ دونوں اُنہیں نصیب رہیں۔ اکبر کے ہاں ٹوڈرمل نے بنگال فتح کرکے وزیر مال کی بیش بہا اور بےنظیر خدمات انجام دیں۔ رفتہ رفتہ اکبر نے ہندوؤں اور راجپوتوں کو اپنی سلطنت میں چھوٹے بڑے عہدوں پر مامور کیا۔ اس سے ہندو اور راجپوت مغلوں کے جانثار دوست بن گئے۔

اورنگزیب کو کیسے سپہ سالاروں کی ضرورت تھی اورنگزیب کے سپہ سالار شیعہ پٹھان اور راجپوت تھے۔ لیکن افغانستان کے خلاف افغانی نہیں لڑ سکتے تھے بلکہ شیعہ یا راجپوت۔ دکن کی حکومت کے خلاف شیعہ نہیں بلکہ راجپوت۔ افغانی اور راجپوتوں کے خلاف راجپوت نہیں بلکہ شیعہ اور افغانی۔ چنانچہ

اور ایسے سپہ سالاروں کی ضرورت تھی جن کی ضرورت اکبر نے محسوس کی تھی اور جو ہر حال اُس کے تابع فرمان رہتے۔ جس طرح خلفائے عباسیہ نے عرب کے مغرور سرداروں میں سے سپہ سالار اور اُمرا نہیں مقرر کئے تھے بلکہ آزاد غلاموں میں سے جنہیں وہ خیر خواہی پر زیادہ رتبہ دے سکتے۔ اور بدخواہی پر معزول کر سکتے تھے۔ اسی طرح اکبر نے بھی اس قاعدے پر عمل کرنا چاہا۔ اول تو اُس نے راجپوتوں سے میل کیا۔ اور دوسرے منصبداری قائم کی جنہیں یا تو نقد یا جاگیروں میں زمین عطا کی گئی۔ منصبداری اُنہی سواروں کی تعداد پر منحصر تھی۔ جو منصبدار کے زیر فرمان ہوا کرتے تھے۔ اس لئے مغلوں کے ہاں ۵۰ سوار سے لیکر ۱۲۰۰۰ سوار تک کے منصبدار رہتے تھے۔ ایک ہزار سے زیادہ سواروں والے منصبدار امرا کہلاتے تھے۔ اگرچہ منصبدار اور بعض اوقات اُس قدر سوار نہ رکھتے تھے جس قدر کہ اُن کے منصب کے لئے شایاں اور ضروری تھے۔ کیونکہ بعض اوقات ۵ ہزار کی تعداد کی جگہ صرف ۵ سو ہی سوار رکھتے جاتے تھے اور ۵ ہزار کی تعداد صرف کاغذی ہوا کرتی تھی۔ لیکن اُن کے اخراجات سرکار سے ملا کرتے تھے اور منصبدار کی آمدنی منصبدار کے کام آتی تھی۔

اگرچہ منصبدار اپنے منصب سے کم سوار رکھتے یا سواروں کو تنخواہ نہ دیکر اپنی آمدنی بڑھا لیتے تھے۔ لیکن درباروں اور سالگروں کے موقعہ پر اُن کو بادشاہ کو بڑی بڑی نذریں دینی پڑتی تھیں۔ اور شان و شوکت سے رہا کرتے تھے۔ اس باعث زیادہ تر قرضدار ہو جاتے تھے۔ اصول منصبداری یہ تھا۔ کہ منصبدار کے انتقال کے بعد اُس کی جاگیر اور بعض اوقات اُسکا پس انداز بھی قانوناً بادشاہ کو مل جاتا تھا۔ اس لئے بعض منصبدار چالاکی سے نقدی جمع کر دیتے تھے۔ کہ اُن کی اولاد کے کام آئے۔ منصبدار اُمرا اور راجپوت راجاؤں کی سوار فوج جن کو بادشاہ سے وثیقے ملا کرتے تھے بقول برنیر کے ۲ لاکھ تھی جس میں سے ۴۰ ہزار بادشاہ کے حضور میں رہا کرتی تھی اور پیادہ فوج۔ توپخانہ رشتہ سوار اور لاؤلشکر اس کے علاوہ تھا۔ اور ملک کی بڑی آمدنی اُن کے خرچ میں آتی تھی۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے منصبدار بادشاہ

کی مٹھی میں رہتے تھے۔ کیونکہ وہ ذرا سی خطا پر معزول ہو سکتے تھے۔ اور اُن کی وفات کے بعد ہی اُن کی منصبداری کا خاتمہ ہو جاتا تھا

محکمہ سول کی کیا حالت تھی جیسے فوج اور منصبدار دونوں بادشاہ کے ہاتھ میں تھے۔ اُسی طرح سول محکمہ بھی تھا۔ بیرونی صوبوں میں جو پایہ تخت سے دور دراز مقامات پر واقع تھے سول اور فوجی اختیارات ایک ہی شخص کو ملا کرتے تھے۔ جو گورنر یا صوبہ کہلاتا تھا۔ اگرچہ یہ صوبے بڑے ظالم ہوتے تھے۔ اور رعایا کو دبا دبا کر اُس سے سب کچھ لے لیتے تھے۔ مگر زمین کی کل آمدنی کا ایک حصہ شاہی خزانہ میں ضرور داخل کرتے تھے۔ اور مزید براں دیگر محصولوں کو شاہی خزانہ میں بھیج دیتے تھے۔ اکبر نے اس خیال سے کہ منصبدار اور صوبے ایک ہی جگہ مدت تک رہنے سے زور پکڑ کر کہیں اُس کے لئے خطرناک ثابت نہ ہوں یہ قاعدہ جاری کیا۔ کہ وہ چند عرصہ کے بعد ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کر دیئے جائیں۔ بعض اوقات منصبداروں کی جاگیریں بھی قصور کے اوپر ضبط کر لی جاتی تھیں۔ مزید براں صوبوں کی نگرانی اور وہاں کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے اکبر نے شاہی انسپکٹر بھی مقرر کئے تھے۔ مگر حکام صوبہ جات انسپکٹروں اور اپنے ہاں کے قاضیوں کو بڑی رشوتیں دے کر اپنا طرفدار بنا لیتے تھے۔ تاکہ اُن کے مظالم کے حالات بادشاہ کے کان تک نہ جا سکیں۔ اکبر کے بعض صوبوں میں ظلم و ستم کو ترقی ہوتی گئی۔ اگرچہ اورنگزیب چاہتا تھا۔ تو اس کو دور کر سکتا تھا۔ لیکن اُس نے اُس کو اور زیادہ ترقی دی۔ کیونکہ ہندو منصبداروں کو برطرف کر کے اُن کی جگہ ادنےٰ درجہ کے ناخواندہ مسلمان مقرر کر دیئے۔ اور خود اُن کی نگرانی نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت ضرورت اس امر کی متقاضی تھی۔ وہ قاضیوں اور انسپکٹروں کے ذریعہ نگرانی کرانے کی جگہ خود صوبوں کی نگرانی کرتا۔ مگر چونکہ وہ کمزور طبیعت تھا۔ اُسے اپنی جان کا اندیشہ تھا۔ اُسے اپنے لوگوں پر بھروسہ نہ تھا اس لئے بذات خود وہ کچھ بھی نہ کر سکا!

ان وجوہات کو دیکھتے ہوئے لامحالا یہی کہنا پڑتا ہے جو برنیر اورنگزیب

کی نسبت لکھا گیا ہے کہ اورنگ زیب ہندوستان میں ایک اجنبی کی مانند تھا وہ دشمنوں کے ملک میں تنہا تھا۔ جہاں ایک ایک مغل یا مسلمان کے مقابلہ میں سو سو کافر تھے۔"

اہل ہند پہلے ہی سے مظالم کے عادی ہو رہے تھے اور اورنگ زیب کے زمانہ کے مظالم نے اُن کی ہمت بالکل توڑ دی۔ اس لئے ملک میں بغاوت نہ ہوئی۔ اگرچہ شاہی حدود کے باہر اورنگ زیب کے خلاف بغاوتیں ضرور ہوئیں جن کے مٹانے کے لئے فوجیں بھیجی گئیں۔ لیکن اندر ہی اندر حکومت کو ایک گھن لگ گیا۔

بیرونی بغاوتیں (۱) بیرونی بغاوتوں میں آسام کے لوگوں کی سرکشی سب سے زیادہ مشہور ہے جسے میر جملہ مٹانے گیا تھا (۱۶۶۳ء) مگر اُس کا وہیں انتقال ہو گیا (۲) اراکان کی بادشاہت صوبہ بنگال کے لئے خطرناک تھی۔ شاہ اراکان کا پایہ تخت چٹاگانگ میں تھا۔ اُس کے پاس گوا۔ سیلون۔ کوہ چین اور ملاکا کے باشندے اور دوغلے پرتگالی جاتے اور وہ اُن کو بسا لیتا تھا۔ یہ لوگ سمندر کے کنارے کنارے اور صوبہ بنگال میں چالیس چالیس میل تک گھُس کر گنگا کے دہانوں پر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ اس سے اورنگ زیب کو سخت پریشانی ہوتی تھی۔ اس لئے جب میر جملہ کے شائستہ خاں بنگالہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ تو اُس نے شاہ اراکان کی حمایت کو توڑ قزاقوں کو زیر کرنے کے لئے کمر باندھی۔ ڈچوں نے جو پرتگالیوں کی طاقت کو کم کرنا چاہتے تھے شائستہ خاں کا ساتھ دیا۔ اور قزاق زیر کر دیئے گئے اور ۱۶۶۶ء میں اُن کی ایک بستی ڈھاکہ سے چند میل پر بسائی گئی۔ جسے فرنگی بازار کہتے ہیں۔ اس کے بعد شائستہ خاں نے ایک لشکر کثیر بھیجکر اراکان کو بنگال میں ملا لیا۔ اور اُسکا نام اسلام آباد رکھا۔

کلکتہ کی بنیاد ڈالی گئی پرتگالیوں کے زیر کئے جانے کے چوبیس برس بعد ۱۶۹۰ء موجب چارنوک نے اورنگ زیب سے اجازت لیکر اور زمین حاصل کر کے تنانتی کا جنگل صاف کیا۔ اور اس شہر کی بنیاد ڈالی جسے اب کلکتہ کہتے ہیں

اورنگزیب کے زمانہ میں سرکاری آمدنی "مجالس السلاطین" مصنفہ محمد شریف حنفی اور بختاور خاں اور ایڈورڈ ٹامس کی کتاب مغل سلطنت ہند کی ذرائع آمدنی کے موافق اورنگزیب کے زمانہ میں حسب ذیل آمدنی تھی

۱۶۶۰ء میں ۲۵۴۱۰۰۰۰ پونڈ۔ ۱۷۰۷ء میں ۳۳۹۵۰۰۰ پونڈ

اس وقت ایک روپیہ ہندوستانی برابر ۲ شلنگ ۳ پنس کے تھا۔ مگر اس وقت ایک روپیہ ہندوستانی برابر ہے ایک شلنگ ½۱ پنس کے

یہ آمدنی صرف مالگزاری اراضی تھی۔ اور اس کی تصدیق یہ ہے کہ ۱۶۶۶ء میں برنیئر نے کل آمدنی ۲۵۴۱۰۰۰۰ پونڈ قرار دی تھی۔ مگر بادشاہنامہ مصنفہ عبدالمجید لاہوری سے ۱۶۴۸ء میں ۲۴۷۵۰۰۰۰ پونڈ ثابت ہوتی ہے ۱۶۹۷ء میں ناکی نے ۴۳۵۵۰۰۰۰ پونڈ لکھی ہے۔ مگر دستور العمل عماّل سے اورنگزیب کی حکومت کے درمیانی زمانہ کی آمدنی ۴۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ ثابت ہوتی ہے

اگرچہ اکبر کے زمانہ سے زمین کی کل محاصل کا ⅓ حصہ شاہی خزانہ میں داخل کیا جاتا تھا۔ مگر اورنگزیب کے وقت میں اس میں خرابی ہوگئی تھی

آمدنی مذکورہ بالا رقوم صرف اراضی کا محاصل ہیں۔ اُس میں جزیہ کے پھر جاری ہونے کی آمدنی۔ شاہی نذرانہ۔ جاگیروں کی ضبطی اور دیگر ٹیکسوں کی آمدنی شامل نہیں۔ جو کروڑ روپیہ تک پہنچتی ہے اورنگزیب جزیہ دوبارہ ۱۶۷۵ء میں جاری کیا تھا۔ اور صرف قصبہ برہانپور سے اس مد میں اسی سال میں ۲۶ ہزار روپیہ کی آمدنی ہوئی تھی۔ اس سے سرسری طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مد میں اور نیز دیگر مدوں میں ساری ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کس قدر آمدنی ہوئی ہوگی۔ لیکن ان مدوں کی صحیح آمدنی کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کے اصلی نقشے نہیں پائے جاتے ہیں۔

"تاہم یورپین مؤرخوں کے بیان سے اندازہ ہو سکتا ہے ولیم ہاکنس نے

جو جہانگیر کے دربار میں ۱۶۰۹ء تک رہا لکھا ہے کہ جہانگیر کی کل آمدنی پچاس کروڑ روپیہ تھی۔ ڈاکٹر جیملی کریری نے جو اورنگ زیب سے ۱۶۶۵ء میں دکن میں ملا تھا۔ لکھا ہے کہ اُس کی آمدنی ۱/۲ ۳۴ ملین پونڈ تھی۔ الغرض آمدنی تھی۔ تو بیحد کثیر مگر اخراجات بھی زیادہ تھے۔ کیونکہ شاہجہان اپنی ساری عمر کی کوشش میں علاوہ جواہرات کے ۲۶ کروڑ روپیہ جمع کر سکا۔ اور اورنگ زیب کی وفات کے بعد صرف ۱۳ لاکھ روپیہ نقد نکلا

ہندوؤں کا مال اور ملک کی حالت اورنگزیب کے زمانہ میں ملک میں اس قدر امن و امان تھے۔ کہ نہ تو آسام اور اراکان اور نہ دکن کی شورشوں سے ملک میں ذرا بھی بدامنی پھیلی

ماہ دسمبر ۱۶۶۴ء میں شاہجہان کو آگرہ میں قیدخانہ میں چھوڑ کر اورنگزیب ۱۸ ماہ پایہ تخت سے باہر رہا۔ یہ زمانہ اُس کی کشمیر کی سیر کا زمانہ تھا جس میں سے صرف ۶ ماہ راستے میں آنے جانے میں صرف ہوئے۔ اورنگ زیب کشمیر کی سیر کو بڑے کر و فر کے ساتھ ۵۰ ہزار سوار ۱۰ ہزار پیادے۔ ۱۲ توپیں بے شمار ہاتھی۔ گھوڑے۔ پالکی نالکی شتر سوار امرا۔ راجہ اور منصبداروں کا جلو لے کر بڑے آرام و اطمینان کیساتھ گیا تھا۔ اور ہمراہی میں پالکیوں پر اور ہاتھیوں پر بیگمات کا جلوس تھا الغرض خدام اور لشکر کے علاوہ ساری دلی کے دوکاندار بھی اس سیر کو اورنگ زیب کے ساتھ گئے تھے۔ کل جلوس میں کوئی تین چار لاکھ آدمی تھے

جب اورنگ زیب ۱۶۶۵ء میں کشمیر سے واپس آیا۔ تو ملک میں بالکل امن تھا۔ ۱۶۶۶ء میں شاہجہان کا انتقال ہوگیا جس سے اور بھی زیادہ امن ہوگیا۔ اسی سال شائستہ خاں نے اراکان کے الحاق کے فرحت افزا خبر بھیجی۔ سیواجی نے دربار شاہی میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی ۱۶۶۸ء میں راجہ جے سنگھ کا انتقال ہوگیا۔ جو شاہجہان کا وفادار سپہ سالار مگر اورنگزیب کے لئے کانٹا تھا۔ راجہ جسونت سنگھ کابل میں تھا۔ اور اس کی عمر کا پیالہ بھی لبھر چکا تھا۔ الغرض اورنگزیب بالکل امن سے

تھا۔ اور اُسے ہندوؤں کیساتھ اپنا مذہبی جوش نکالنے کے لئے خوب ہی اچھا موقعہ ملا۔

مذہبی جوش کے اظہار کی ابتدا اپریل ۱۶۶۹ء میں اورنگزیب کو یہ خبر ملی کہ بنارس کے برہمن اپنی دینیات کی تعلیم نہ صرف ہندوؤں ہی کو دیتے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کو بھی اسوقت جو کارروائی اورنگزیب نے کی اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے مذہب کو مٹانے کی فکر اُسے پہلے ہی سے لگی ہوئی تھی۔ اور محکمہ قضا سے صوبوں کے گورنروں کے نام اُس نے یہ فرمان جاری کیا۔ کہ کافروں کی مدرسے اور مندر ڈھا دیئے جائیں اور وہ بت پرستی کی تعلیم و تلقین بند کر دیں۔ پس بنارس میں وشنو مندر ڈھا دیا گیا۔ متھرا میں ایک مندر ڈھا کر اُس کی جگہ تعمیر کی گئی۔ جو اسوقت تک شہر کے بیچوں بیچ کھڑی ہوئی ہے۔ اور جو بت اُس مندر میں رکھا ہوا تھا۔ وہ آگرہ لاکر ایک مسجد کی سیڑھیوں میں لگایا گیا

ایک مذہبی قتل کتاب معاصر عالمگیر مصنفہ مستعد خاں میں تاریخ یکم ذیقعدہ ۱۰۷۵ ہجری مطابق ۱۸ اپریل ۱۶۶۹ء کے ایک قتل مذہبی کا واقعہ لکھا ہے

اورنگزیب کے عہد میں پہلی بغاوت پہلی بغاوت میوات میں ہندوؤں کے ایک فرقہ "ست نامی" نے کی تھی۔ اس فرقہ کے لوگوں نے قصبہ نارنول پر قبضہ کر کے خراج وصول کر لیا۔ دلی سے کئی مہم روانہ کی گئیں مگر وہ شکست کھا کر آئیں (دیکھو تاریخ خافی خاں جلد ۲ صفحہ ۲۹۵) آخر کار اورنگزیب نے ایرانیوں کی ایک جری اور زبردست فوج روانہ کی جو ہندوؤں سے سخت تعصب رکھتی تھی اور قتل عام کرایا گیا

دوسری بغاوت اور اُس کے بیٹے اکبر کی سرکشی

جب اہل دہلی نے جزیہ کے خلاف واویلا مچایا تو اورنگزیب نے دربار میں آنا بند کر دیا۔ تاکہ اُن کی عرض نہ سنے۔ جامع مسجد کے راستہ میں ہندو اُس کے ہاتھی کو گھیر لیتے۔ اور عرض و معروض کرتے تھے۔ مگر وہ اُن کی ایک نہ سنتا تھا۔ راجہ جسونت سنگھ کی وفات

پر اورنگ زیب نے اُس کے دونوں بیٹوں کو دہلی بلاکر تعلیم دلوانی شروع کی۔ اور اُن کو مسلمان کر لیا۔ جب راجپوتوں کو اس کا اور جذیہ کا حال معلوم ہوا۔ تو اُنہوں نے دونوں لڑکوں کو دہلی سے مارواڑ پہنچا دیا (از حیات اورنگ زیب مصنفہ اسٹینلی لین پول) اسپر اورنگ زیب نے راجپوتانہ پر حملہ کیا۔ میواڑ اور مارواڑ (جودھپور) اُس کے مقابلہ میں آئے۔ صرف امیر (جے پور) کا راجہ رام سنگھ اورنگ زیب کا وفادار بنا رہا۔ راجپوتوں نے ۲۵ ہزار سوار میدان جنگ میں اُتار دیئے۔ راجپوت مقابلہ میں غالب تھے۔ اورنگ زیب نے اجمیر سے چوتھے بیٹے اکبر کو سپہ سالار بنایا۔ اور دکن و بنگال سے معظم اور اعظم کو معہ فوج کے طلب کیا۔ ابھی اورنگ زیب ایک ہزار سوار کو لئے ہوئے اجمیر پڑا تھا۔ کہ ادھر سے یہ خبر ملی۔ کہ اکبر راجپوتوں سے جاملا اور اُس نے ہندوستان کا حکمران ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور ۷ ہزار فوج لئے ہوئے اُس کے مقابلہ کو آرہا ہے۔ اُدھر تو اورنگ زیب نے معظم اعظم کو معہ فوج کے بلایا اور ادھر اکبر کو مبارکباد کا خط لکھا۔ یہ اورنگ زیب کی ایک چال تھی اسپر مغل جو تہور خاں نائب سپہ سالار کی ماتحتی میں تھے۔ اکبر سے منحرف ہو کر اورنگ زیب سے آملے۔ اکبر معہ ۵۰۰ فوج کے بھاگ کر اہری کے مرہٹہ سردار سے جا ملا۔ اور وہاں سے فارس کو چلا گیا۔ اور پھر واپس نہ آیا۔ لڑائی جاری رہی مگر وفادار راجپوت برگشتہ ہو گئے۔ اور اورنگ زیب پر غالب پڑے۔ اورنگ زیب نے اودیپور پر قبضہ کر لیا۔ مگر باغی پہاڑیوں میں چلے گئے۔ اسکے بعد صلح ہو گئی۔ رانا اودیپور نے کچھ ملک بطور تاوان اورنگ زیب کی نذر کیا۔ راجہ جسونت سنگھ کا چھوٹا بچہ جودھپور کا راجہ اور اپنے باپ کا قائم مقام تسلیم کیا گیا۔ مگر اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر بغاوت پھوٹ نکلی جسکے باعث سوائے راجہ جے پور کے سارا راجپوتانہ اورنگ زیب کی وفات تک باغی بنا رہا۔

بہمنی خاندان سے جھگڑا۔ سب سے پہلے دکن کو محمد تغلق نے جو دہلی کا بادشاہ تھا چودھویں صدی عیسوی میں سر کیا تھا۔ اُس نے دیوگری کو جسے دولت آباد بھی کہتے ہیں

اپنا پایہ تخت بنانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس میں اُسے کامیابی حاصل نہ ہوئی محمود تغلق کی وفات پر بہمنی خاندان نے دکن پر قبضہ کر لیا۔ اس خاندان کی رفتہ رفتہ پانچ شاخیں ہو گئیں۔ جن میں وہ شاخیں بہت زبردست تھیں جو گولکنڈا میں قطب شاہی بیجاپور میں عادل شاہی اور احمد نگر میں نظام شاہی خاندانوں کے نام سے حکمرانی کرتی تھیں۔ مغلوں کا ان ریاستوں پر دانت لگا ہوا تھا۔ اکبر نے اُن کو اپنے زیر نگیں لانے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اس کوشش میں اُسے اس قدر کامیابی تو نصیب ہو گئی تھی۔ کہ احمد نگر اور گولکنڈا اُسے خراج دینے لگے تھے۔ لیکن اکبر کے بعد مغلوں کے حکمرانوں کی توجہ دکن کی طرف سے کچھ ہلکی سی پڑ گئی تھی۔ اس لئے یہ دونوں ریاستیں پھر خود مختار بن بیٹھیں جب وقت اورنگ زیب تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ تو اُس نے ریاستوں سے خراج طلب کیا۔

میر جملہ جو دراصل بہمنی خاندان کی ایک شاخ عادل شاہی میں سے تھا۔ وہ خانگی نزاع کے باعث ترک وطن کر کے اورنگ زیب سے آملا۔ جو اُس وقت دکن میں سپہ سالاری کر رہا تھا۔ میر جملہ ایرانی نژاد شیعہ اور اچھا سپہ سالار تھا اُسے بت پرستوں کیساتھ سخت دشمنی تھی۔ جب وہ اپنے خاندان ہی میں تھا۔ تو اُس نے دکن کے چند مندروں کو خوب لوٹا۔ اور جب خاندان سے نزاع ہوا۔ تو وہ اورنگ زیب کے پاس آگیا۔ جس نے اُسے ۵۰۰ سواروں کی سپہ سالاری عطا کر دی۔ اورنگ زیب نے میر جملہ کی مدد سے اپنا مطلب نکالنا چاہا۔ اور بہمنی خاندان کی مختلف شاخوں کو زیر کرنے پر کمر باندھی اورنگ زیب نے شاہزادہ محمود کو عادل شاہ کے پاس میر جملہ کے حقوق طلب کرنے کے لئے بھیجا۔ مگر معہ فوج و لشکر کے وہ خود بھی ایک طرف سے اُس ملک پر چڑھائی کر دی۔ اُدھر مالوہ سے شائستہ خاں نے بھی اپنی فوج لیکر عادل شاہ کے ملک پر دھاوا بولدیا اور اورنگ زیب نے اُس مجبور سے من مانی شرطیں قبول کرا لیں اورنگ زیب کا نام عادل شاہی سکہ کے اوپر ضرب کیا گیا۔ اور شاہ عبداللہ کی بیٹی کے ساتھ اورنگزیب کے

بڑے بیٹے کا عقد کر دیا گیا۔ اور کئی قلعے جہیز میں دیے گئے۔ ایک کروڑ روپیہ سالانہ خراج مقرر کیا گیا۔ اگر اورنگ زیب چاہتا۔ تو ریاست گولکنڈا اسی وقت مغلیہ سلطنت میں ملحق کر لیا جاتا

کوہ نور ہیرا۔ میر جملہ تجارت کیا کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ سے کوہ نور ہیرا لگ گیا تھا۔ جو اس وقت شاہ گریٹ برٹن کے تاج میں چمک رہا ہے۔ کوہ نور ہیرا میر جملہ نے شاہجہان کی نذر کیا۔ جسے ہندوستان سے نادر شاہ بادشاہ فارس لے گیا۔ اور احمد شاہ درانی کابل لایا۔ یہ ہیرا احمد شاہ کی وفات کے بعد اُس کے خاندان کے ایک شخص سے راجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھ آگیا جس نے اسے برطانیہ کی ملکہ کو نذر کر دیا۔ اور اب وہ ہمارے شاہ عادل پناہ کے تاج میں جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔

میر جملہ دکن کا گورنر بنا دیا گیا۔ میر جملہ اپنی ذاتی لیاقت اور خدمات کے باعث رفتہ رفتہ شاہجہان اور اورنگ زیب کے دل میں گھر کر لیا۔ اورنگ زیب سے اُس کی بڑی گاڑھی دوستی پیدا ہو گئی۔ اور آخر کار وہ دکن کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ میر جملہ کو اس بدسلوکی کا عوض جو اُس کے ساتھ عادل شاہی خاندان کی طرف سے کی گئی تھی۔ لینے کی فکر ہر دم دامنگیر رہتی تھی۔ اس لئے اُس نے اورنگ زیب کے ساتھ ساز و باز کر کے، عادل شاہی خاندان کو بالکل تہ و بالا کر ڈالا۔ اور اپنی دلی آرزو کو پورا کر لیا۔

مرہٹوں کا زور پکڑ جانا اسی عرصہ میں دکن میں مرہٹے زور پکڑ گئے۔ اُنہوں نے ست پڑا پہاڑ سے لے کر گوآ تک بحر ہند کے کنارے کنارے ایک حکومت قائم کی تھی۔ جہاں وہ دکن اور بنگال پر یورش کر سکتے تھے۔ اُن کا ملک کونکن مغربی گھاٹ اور بحر ہند کے درمیان تھا

اورنگ زیب کی حکمرانی سے پہلے مرہٹوں نے کچھ نام و نمود حاصل نہیں کئے تھے۔ اُن کو دراصل بیجا پور کے بادشاہ کے ہاں سے عروج حاصل ہوا تھا۔ جس نے کئی ایک مرہٹوں کی تعلیم و تربیت کی تھی بہت سے مرہٹے اُس کی فوج میں ملازم تھے۔ جہاں اُن کو فن حرب سے خوب واقفیت حاصل ہو گئی

مرہٹوں کا بیجاپور کی ریاست میں وہ عمل دخل ہو گیا۔ کہ عدالت میں اُن کی زبان رائج کی گئی۔ اور اسی زبان میں تمام کارروائی ہونے لگی۔ اور رفتہ رفتہ وہ بیجاپور کے علاوہ گولکنڈا کی ریاست میں بھی گھس گئے۔ الغرض ان دونوں ریاستوں میں وہ بڑے بڑے عہدوں پر مامور کئے گئے مرہٹوں میں سب سے مشہور اور بارسوخ شخص شاہ جی بھونسلا تھا جسے پونا کا گورنر بنا دیا گیا۔ اُس سے سیواجی پیدا ہوا۔ جو مرہٹوں کی حکومت سے عروج پر پہنچانے والا سمجھا جاتا ہے

سیواجی کا عروج - سیواجی اپنے باپ کی وفات پر پونہ کا گورنر بنایا گیا جہاں سے اُس نے چاروں طرف ہاتھ پھینکنا شروع کیا۔ اور کچھ عرصہ بعد قلعہ تورانا پر قبضہ کر لیا۔ ملک کوکن میں بہت سے کوہستانی قلعے تھے سیوا جی نے ان سب کو ایک ایک کر کے فتح کر لیا اور ملک کوکن کا مالک و مختار بن بیٹھا۔ اس کے بعد اُس نے مغربی گھاٹ کے حاکم کو قتل کر کے اُس کے ملک پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر بیجاپور کی بہت سی سلطنت دبا بیٹھا سکندر شاہ نے جو نوجوان تھا۔ اور جسے تخت بیجاپور پر بیٹھے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا سیوا جی کے مقابلہ کے لیے ایک فوج بھیجی۔ جسے سیواجی نے شکست دیکر سکندر شاہ کے آئندہ زدم وارادے کو بالکل پامال کر دیا۔

سیواجی اور افضل خاں - جب افضل خاں سپہ سالار بیجاپور بذات خود سیوا جی کے مقابلہ کو گیا۔ تو اس نے چال سے عاجزی کرلی اور اُسے دوست بنا کر اپنے قلعہ میں لے گیا۔ اور قتل کر ڈالا۔ اور پھر دھاوا کر کے بیجاپور کی فوج کو شکست فاش دی اس سے بیجاپور والوں کو اور بھی مایوسی ہوئی۔ مگر اُنہوں نے ایک اور مہم تیار کر کے اُس کا مقابلہ کیا۔ لیکن اس مرتبہ بھی انکو سیواجی کی دلاور سپاہ نے ہرا دیا۔ اس کے بعد دکن کے فرمانرواؤں نے اُس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا

سیواجی کی سلطنت کی وسعت - جب سیواجی کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نظر نہ آیا۔ تو وہ مدت تک لوٹ مار کرتا رہا۔ قافلوں کو لوٹا کیا۔ گرد نواح کے چھوٹے چھوٹے

حکمرانوں کے ناک دبا بیٹھا۔ مگر عورتوں اور معبدوں سے اُس نے کوئی تعرض نہ کیا۔

اس کی سلطنت طول میں کلیان سے لیکر پرتگالی گوا تک کوئی ۲۵۰ میل اور عرض پونہ سے کر دریائے کشنا تک کوئی ۱۰۰ میل میں پھیل گئی اور سپاہ کی تعداد کوئی ۵۰ ہزار ہو گئی۔ گویا وہ ایک زبردست حکمران بن گیا۔

سیواجی اور مغلیہ سلطنت اس کے بعد سیواجی نے مغلوں کی سلطنت پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ اُس نے اورنگ آباد پر حملہ کر دیا۔ اور بہت سا مال و زر لوٹ کر لے گیا۔ شائستہ خاں سیواجی کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا جس نے ۱۶۶۰ء میں مرہٹوں کے ملک پر چڑھائی کر دی اور قلعہ چاکنا پر قبضہ کر لیا۔ اور اُس کا نام اسلام آباد رکھا۔ وہ تین سال تک سیواجی کی بربادی کے در پے رہا۔ مگر اُسے ذرا بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ ایک سال رمضان کے مہینے میں جب شائستہ خاں کی فوج روزہ افطار کر چکی تھی مرہٹے اُس پر اچانک آ پڑے۔ اور اُنہوں نے بڑا کشت و خون کر ڈالا۔ خود شائستہ خاں مارے جانے سے بچ گیا۔ ۱۶۶۳ء میں شائستہ خاں صوبہ بنگال کو تبدیل کر دیا گیا۔ اور شہزادہ معظم معہ راجہ جسونت سنگھ دکن کی گورنری پر مامور کیا گیا۔ ادھر سیواجی نے اپنی فتح کی خوشی میں شہر سورت کو تباہ کر ڈالا۔ یہ بندرگاہ حج جانے کا بندر تھا۔ مسلمانوں کو سیواجی پر بڑا غصہ آیا۔ اور راجہ جسونت سنگھ پر شبہ کیا گیا۔ کہ وہ ہندو ہونے کے باعث سیواجی سے میل رکھتا۔ اور اس کی طرفداری کرتا ہے اس لئے اُسے میدان جنگ سے بلا لیا گیا۔ اور اس کی جگہ دکن کی کمان پر راجہ جے سنگھ اور دلیر خاں مقرر کئے گئے۔ ان دونوں نے پانچ ماہ میں سیواجی کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا جب سیواجی بالکل مجبور ہو گیا۔ تو اُس نے اطاعت قبول کر کے خراج دینا منظور کر لیا۔ اور دہلی میں حاضر ہو کر اورنگزیب کو آداب بجا لایا۔

سیواجی کو امید تھی۔ کہ اُس کے ساتھ اورنگ زیب اچھا سلوک کریگا۔ اور اُس کی مدارات اُسی طرح کی جائیں جسطرح کہ ایک شخص اپنے برابر والے اور ہم رتبہ شخص کی مدارات کرتا ہے۔ یا جس طرح کہ سکندر اعظم نے پورس کے ساتھ سلوک کیا جاتا۔ مگر خلاف امید جب اُسے دربار میں پانچویں درجے کے امیروں میں جگہ دی گئی۔ تو اُسے بڑی خفت حاصل ہوئی۔ اور وہ غش کھاکر زمین پر گر پڑا۔ اورنگ زیب نے اُسے وہاں سے اوٹھوا کر ایک مکان میں بھجوا دیا۔ اور اُس کے چاروں طرف پہرے مقرر کر دیئے اُس وقت سیواجی کو معلوم ہؤا۔ کہ اُس کے ساتھ دہوکا کیا گیا۔ سیواجی پر کچھ تو ملال کا اثر تھا۔ اور کچھ اُس نے بہانہ کر کے اپنے کو بیمار بنا لیا۔ اور ایک ایسی چال کھیلی۔ کہ اورنگ زیب کے قبضہ سے نکل گیا۔ اُس نے برہمن طبیبوں کو اپنے علاج و معالجہ کے لئے مقرر کرایا۔ اور اُن کے ذریعہ اپنے باہر والے رفیقوں کے ساتھ سلام و پیام کا سلسلہ قائم کر لیا اُس نے اپنی اس چال کو مضبوط اور کامیاب بنانے کے لئے خیرات تقسیم کرنا شروع کر دی۔ خیرات کی چیزیں جن میں انواع و اقسام کے کھانے اور شیرینی ہوتی تھی بڑی بڑی ٹوکریوں میں بند ہوکر اُس مکان کے اندر آنے لگیں جس میں وہ مقیم تھا۔ اور وہاں سے باہر ہی جانے لگیں۔ یہ خیرات ہندو اور مسلمان دونوں ذات کے مساکین اور فقیروں کو تقسیم کی جاتی تھی جب کئی ماہ کے عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہنے کے باعث پہرے داروں کو کامل یقین ہوگیا کہ ان ٹوکریوں میں صرف شیرینی اور کھانے کی چیزیں آتی جاتی ہیں تو انہوں نے چوکسی میں کمی کر دی۔ اُدھر اورنگ زیب کو بھی اطمینان ہوگیا۔ کہ شکار اب نکل کر نہیں جاسکتا۔ مگر سیواجی کو ہر دم یہی فکر لگی ہوئی تھی کہ حتی الامکان جلد اورنگ زیب کے پنجے سے نکل جائے جب وہ معاملہ ٹھیک ٹھاک کر چکا۔ تو ایک دن ایک ٹوکری میں آپ بیٹھ گیا اور دوسری میں اپنے بیٹے کو بٹھا دیا۔ اور اس مکان سے نکلکر ایک پوشیدہ جگہ جا پہنچا جہاں پہلے سے ایک بادپا گھوڑا تیار کھڑا تھا۔ اور گھوڑے پر سوار ہوکر اُس نے ایسا راستہ

اختیار کیا۔ جس میں ہو کر آمد و رفت نہیں ہوتی تھی اور دو دن میں متھرا جا پہنچا اور ایک برہمن کے ہاں مقیم ہوا۔ اس برہمن کے پاس اُس نے بیٹے کو چھوڑا اور خود سر اور داڑھی منڈوا کر ایک سنیاسی کا بھیس بدل لیا۔ اور غیر مانوس رستوں سے سفر کرتا ہوا اپنے قلعہ رائے گڈھ میں جا پہنچا۔ اور پھر اُس نے اپنے بیٹوں کو بھی بلوا لیا۔ یہ ۱۶۶۶ء کا واقعہ ہے۔

راجہ جسونت سنگھ کا دوبارہ دکن کا حاکم مقرر کیا جانا۔ اب سیواجی نے رائے گڈھ کے قلعہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اور اورنگ زیب نے اُسے پھر اپنے دام فریب میں پھانسنا چاہا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ سیواجی بذات خود بڑا چالاک اور عیار تھا۔ مگر یا تو کسی مصلحت سے یا دیگر دہلی آ گیا تھا ورنہ وہ اورنگ زیب عیاری اور چالاکی میں دو ہاتھ بڑھ کر ہی تھا۔ جب اورنگ زیب نے دیکھا۔ کہ شکار نکل گیا۔ تو اُس نے راجہ جسونت سنگھ کو پھر اُس کے پھانسنے کی غرض سے دوبارہ دکن کی سپہ سالاری پر مامور کیا۔ اور ایک تازہ دم لشکر اس کے ہمراہ روانہ کیا۔

سیواجی کی غارتگری۔ سیواجی نے جب اپنے ملک میں پہنچ گیا تو پھر دیکھ بھال کیا۔ تمام قلعوں کو درست کر لیا۔ راستوں میں جنگی چوکیاں قائم کیں اور اپنی طاقت کو خوب مضبوط کر کے اورنگ زیب کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا وہ خوب جانتا تھا۔ کہ اورنگ زیب ضرور اُس کے برباد کرنے کی تدابیر دوبارہ اختیار کریگا۔ اس لئے اُس نے اُسے تو پہلے موقعہ نہ دیا۔ بلکہ خود اپنی طرف سے دست درازی شروع کی اور ۱۶۷۱ء میں اُس نے سورت پر دوبارہ چھاپہ مار کر تباہ و برباد کر ڈالا۔ اور پھر خاندیش کو جا کر لوٹ لیا۔ ۱۶۷۵ء میں اُس نے بھڑوچ پر چڑھائی کی۔ اور وہاں کے لوگوں سے خوب مال وزر لیا۔ ۱۶۷۷ء میں جنجی اور آرنی پر قبضہ کر کے اپنا سارا ملک پھر اپنے قابو میں کر لیا۔ اور پھر اُس نے چوتھ لینا شروع کیا۔ اور محالوں سے بھی اُس نے طلب کیا۔

چوتھ ۔ کہتے ہیں۔ کہ ہیرا کو ہیرا کاٹتا ہے۔ اس لحاظ سے تو اورنگ زیب

کا مدمقابل اگر کوئی شخص کہا جا سکتا ہے تو سیواجی تھا۔ ترکی بہ ترکی اُس نے جواب دیا۔ اورنگزیب کے ہر طرح مان مار دیئے اور اس کے دانت کھٹے کر دیئے جسطرح اورنگزیب نے ہندوؤں کے اوپر جزیہ دوبارہ جاری کیا تھا اُسی طرح سیواجی نے مسلمانوں پر چوتھ جاری کی۔ اور اُسے خود اورنگزیب سے طلب کیا۔ سیواجی اورنگزیب کے قبضہ سے نکلنے کے بعد پھر اُس کے دام فریب میں نہ پھنسا۔ اور نہ اُس سے دبا۔

سیواجی کی وفات مورخین کی رائے ہے۔ کہ اگر سیواجی کی عمر وفا کرتی۔ اور وہ ایک مدت اور زندہ رہتا۔ تو اورنگزیب سے بعض وقت خراج وصول کرتا۔ اور شاہی خاندان کی جگہ مرہٹوں کی حکومت کا ہندوستان میں دور دورہ ہوتا سیواجی کا استقلال۔ اُس کی فوجی نقل و حرکت اور رعب داب یہ ایسی باتیں تھیں۔ کہ جو کتنے عالموں کو سخت حیرت اور حکمرانوں پر اُن سے ایک قسم کی ہیبت طاری ہوتی تھی۔ مگر عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔ اور وہ ١٦٨٠ء میں فوت ہو گیا۔

سمبھاجی۔ سیواجی کی وفات پر اُس کا بیٹا سمبھاجی اس کی جگہ فرمانروا ہُوا۔ اگرچہ وہ بھی نڈر سپہ سالار اور جنگجو تھا۔ لیکن عیاری اور چالاکی میں وہ سیواجی کی گرد کو بھی نہ پہنچا۔

اورنگزیب سیواجی کی وفات کے بعد اورنگزیب کو اپنے دشمن سیواجی کی وفات پر بیحد خوشی حاصل ہوئی۔ کیونکہ سیواجی اُس کے لئے ایک کانٹا تھا سوائے سیواجی کے اُس وقت ہندوستان کے اور حکمرانوں کا اُسے زیادہ ڈر و خوف نہ تھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا۔ کہ سیواجی ہی ایسا شخص ہے جو اُسے اُس کے ارادوں میں روک دے سکتا ہے اس لئے اُس نے مرہٹہ سلطنت کی بیخ و بن تک برباد کر دینے کی کاروائی شروع کی۔ پہلے تو اُس نے گولکنڈہ اور بیجاپور کو فتح کیا۔ اس کے بعد مرہٹوں کے خلاف سپاہ روانہ کی۔ اعظم و معظم دونوں نے مل کر کونکن کو تباہ کر ڈالا

اُس وقت اورنگزیب نے افغانستان اور راجستان فتح کر لئے تھے

خیال چھوڑ کر اودے پور کی ریاست سے بھی میل کر لیا تھا اودہر اعظم اور معظم کونکن کو تباہ کرکے مرہٹوں کے ملک سے چلدیئے۔ ادہر سے اورنگ زیب مرہٹوں کے ملک کو روانہ ہؤا۔ مگر اعظم و معظم کے واپس ہوتے ہی سمبھاجی نے جلدی سے ملک خاندیش میں پہنچکر شہر برہانپور میں آگ لگادی۔ جب تک مغلوں کی فوج برہانپور پہنچی۔ مرہٹے پہاڑی قلعوں میں جا چھپے۔ اس واقعہ سے اورنگ زیب کے غیظ و غضب بھڑک اُٹھے۔ اور اس نے دکن میں جزیہ لگا دیا۔ مرہٹوں کا تو اورنگ زیب کچھ بھی نہ کرسکا۔ مگر اپنے دل کا غبار ہندوؤں پر نکال کر غصے کو ٹھنڈا کیا۔ جزیہ وصول کرنے پر فوج اور افسر مامور کئے گئے صرف برہانپور سے جو ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ تین ماہ میں ۲۶ ہزار روپیہ وصول کیا گیا۔ مزید براں اورنگ زیب نے حکم جاری کیا۔ کہ کوئی ہندو عربی گھوڑے یا پالکی میں سوار ہوکر نکلنے نہ پائے۔ اس سے اس نواح کے سارے ہندو مرہٹوں کے طرفدار ہوگئے۔

گولکنڈا اور بیجاپور کی تباہی گولکنڈا ۱۶۵۶ء سے مغلوں کے آگے سر جھکا چکا تھا۔ اُس کے حکمران شاہ ابوالحسن نے انتظام کاروبار سلطنت سے مجبور آ بالکل ہاتھ اُٹھا لیا۔ اور دربار رہنے کرو یا تھا اور میر جملہ کا بیٹا محمد امین خاں مغلوں کی طرف سے وہاں امور شاہی کا انتظام و انصرام کرتا تھا۔

اس وقت گولکنڈا اور بیجاپور میں کچھ کچھ میل ہونے لگا تھا۔ اور دونوں ریاستوں نے سازوباز کرکے حیدرآباد میں کچھ فوج جمع کرنا شروع کردی تی۔ اس کی خبر سنتے ہی اورنگ زیب نے شاہزادہ اعظم اور خان جہاں بہادر کوکلتاش کو اُن کی سرکوبی پر مامور کیا۔ ان دونوں نے گولکنڈا پہنچکر سفاکی پر کمر باندہی۔ اور بے دریغ کشت و خون کیا جس کی ہیبت ناک خبریں اورنگ زیب کے کانوں تک سفر بادی کی صورت میں پہنچیں۔ اس پر اورنگ زیب نے وہاں سے شاہزادہ اعظم کو واپس بلا لیا جب گولکنڈا کا کچومر نکال لیا گیا تو اورنگ زیب ریاست بیجاپور پر جا ٹوٹا۔ ۱۶۸۵ء سے محاصرہ ابتدا ہی برابر چلتی رہی ۱۶۸۶ء میں بیجاپور اورنگ زیب کے حوالے کردیا گیا۔ جسے اُس نے بالکل

مسمار کر دیا۔ اور اُس کے آثار اب تک پائے جاتے ہیں۔ گویا عادل شاہی خاندان کا نام نشان تک صفحہ دنیا پر بالکل مٹا دیا گیا۔ لیکن گولکنڈہ اکیساتھ اُس نے صلح کر لی۔ مگر ملک تباہ و برباد ہو جانے کے باعث اُس کا حکمران خراج نہ ادا کر سکا۔ جب اُسے خراج ادا کرنے کے لئے دبایا گیا۔ تو اس نے اس شرط پر اپنے جواہرات اورنگ زیب کے حوالے کر دیئے۔ کہ خراج دے کر واپس لے لیگا۔ لیکن تھوڑے ہی دن بعد اُسے یہ خبر ملی۔ کہ اورنگ زیب گلبرگہ سے چلدیا اور جواہرات بھی اپنے ہمراہ لے گیا۔ اُس بیچارے کو سخت مایوسی کا سامنا غم غصہ میں انسان کی عقل جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ اُس نے اُس مغل افسر کو جو اُس کے دربار میں ریذیڈنٹ کی حیثیت سے مامور تھا۔ گرفتار کر کے قید میں ڈالدیا۔ اس خبر کو سنکر اورنگ زیب نے اُس پر ایک کثیر لشکر بھیجدیا تو اُس نے فوج کو کہا۔ کہ صلح کرنی چاہیئے۔ اور اطاعت قبول کر کے معافی مانگنے لگا۔ مگر معافی نہیں دی گئی۔ جسپر ماہ جنوری ۱۶۸۷ء میں جنگ ہوئی مغلوں کے لشکر نے اُس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اُنہیں دانہ۔ پانی تک نہ ملا۔ اور ادھر قلعہ سے گولہ باری ہوتی رہی۔ جس سے ہزاروں جانیں ضائع ہو گئیں۔ اور بدقسمتی سے اس اثنا میں ناگہانی قحط پڑ گیا۔ جس کے باعث مغلوں کے لشکر کو رسد بالکل نہ مل سکی۔ ادھر ایک اور یہ آفت ٹوٹی۔ کہ لشکر میں وبا پھیل گئی۔ الغرض مغلوں کی سپاہ میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ اگرچہ ابوالحسن قلعہ میں بند ہونے کے باعث گھبرا گیا۔ اور اُس نے ساتھ ہی یہ سمجھ کر کہ فتح تو مغلوں کو ہی نصیب ہوگی اور اُن ہی کا پلہ بھاری رہیگا۔ اورنگ زیب سے صلح کی درخواست کی۔ مگر اُس نے یہ جواب دیا۔ کہ "ابوالحسن یا تو ہاتھ جوڑے ہوئے حاضر ہو۔ یا گرفتار ہو کر آئے۔ تب میں دیکھونگا کہ رحم کر سکتا ہوں یا نہیں" اور جواب دینے کے بعد ہی اُس نے خود فوج کا سپہ سالار بنکر قلعہ پر دھاوے کئے۔ مگر مغل بالکل ہمت ہار گئے اور جنگ سے کانپتے لرزتے بیدلی کے ساتھ اُسکا حکم مانتے تھے۔ جب اُس نے دیکھا۔ کہ اس فوج سے تو قلعہ سر ہونا ایک امر دشوار ہے تو رشوتیں دے کر کام

نکالنا چاہا جسکے باعث ابوالحسن کے سارے رفیق اُس سے پھر گئے۔ صرف
دو ساتھی بدستور اُس کے جانثار و وفادار بنے رہے۔ مگر آخرش عبداللہ بھی رشوت
بھی رشوت لیکر اورنگ زیب سے آملا۔ اُس نے قلعہ کا پھاٹک کھول کر
اورنگ زیب کی سپاہ کو قلعہ کے اندر داخل کر لیا۔ فوج نے اندر جاتے ہی فتح
ترمی بجا دی۔

جسوقت ابوالحسن کے وفادار رفیق عبدالرزاق کے کان میں یہ آواز
پڑی۔ اُس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ بیتاب ہوکر قلعہ کے بچانے
کے لئے دوڑا گیا۔ مگر اورنگ زیب کی فوج سے مقابل ہوتے ہی مارا گیا
ابوالحسن اب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بالکل مجبور و بے قابو ہو گیا۔
اور دربار میں جا بیٹھا۔ اور مغلوں کا جو بے بلائے مہمان تھے بڑے تھنڈے
دل سے انتظار کرنے لگا۔ آخرش اورنگ زیب کے افسر بھی اُس کی تلاش میں
وہیں جا پہنچے۔ جنہیں آتے ہوئے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آداب بجا
لایا۔ اتنے ہی میں ایک خادم اُس کے گھوڑے پر زین کسکر حاضر ہوا۔ جب وہ
گھوڑے پر سوار ہوکر شہزادہ اعظم کے ہمراہ قلعہ کے باہر لشکر میں اورنگ زیب
کی خدمت میں حاضر ہوکر آداب بجا لایا۔ اور اظہار اطاعت کے لئے اُس نے
اُس کے آگے سر جھکا دیا۔ اورنگ زیب بڑی ملاطفت اور حسن سلوک سے
پیش آیا۔ مگر قید کر کے اُسے قلعہ دولت آباد کو بھیجدیا۔ اور اُس کے قلعہ
پر قبضہ کر لیا۔

اورنگ زیب گولکنڈا اور بیجاپور کی تباہی سے اپنے کو دکن کا مالک و مختار
سمجھنے لگا۔ لیکن یہ تباہی ایک طرح پر اُس کے لئے مضر تھی
اُس کا ایک نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اورنگ زیب کی توجہ اب بالکل مرہٹوں کی
بربادی پر مبذول ہو گئی۔ دکن میں اور کوئی ایسی طاقت باقی نہ رہی
جس کے مٹانے کا اُسے اندیشہ ہو سکتا۔ اس لئے اب سوائے اس کے
اور کوئی میدان نظر نہیں آتا تھا۔ کہ وہ مرہٹوں کے ساتھ پھر ایک زور
آزمائی کرے۔ خود مرہٹوں کو ان دونوں سلطنتوں کے مٹ جانے سے فائدہ

کی طرف سے اندیشہ ہوتا تھا۔ اور اُن کے دم خم میں ایک حد تک تزلزل
پیدا ہو سکتا تھا۔ دونوں سلطنتوں کی مغلوب فوج بے سری ہو گئی۔ اورنگ
زیب کی ذات پر اُسے مطلق بھروسہ اور اعتماد نہ تھا۔ ورنہ وہ اس کی
طرف دار ہو جاتی۔ اس لئے اُسے مجبوراً سمبھاجی سے میل جول
پیدا کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور آخرش غارت گر مرہٹوں میں ملکر
وہ بھی لوٹ مار کرنے لگی۔ اگرچہ کئی ایک حکام اور سپہ سالار خود مختار
بن گئے۔ لیکن چونکہ اُن کا زور کسی بڑے حریف کے مقابلہ کے لئے
کافی نہ تھا۔ پس وہ بھی مرہٹوں کے حلقہ بگوشوں میں داخل ہو گئے الغرض
سارا ملک جو گولکنڈا اور بیجاپور کے فرمانرواؤں کے زیر اثر تھا۔ سمبھاجی
کے زیر نگیں آگیا۔

اورنگ زیب نے نہ صرف اُن ملکوں ہی پر قبضہ کیا۔ بلکہ وہ میسور تک
دبا بیٹھا۔ لیکن وہاں اُس کا زور و اقتدار بیکار تھے۔ جو کچھ بھی اثر تھا وہ
مرہٹوں کا تھا۔ لوگ مرہٹوں کا دم بھرتے رہتے تھے اور اُن کو ہر طرح
کی امداد دینے پر آمادہ رہتے تھے۔ اتفاق سے سمبھاجی عیش و عشرت میں پڑ
کر گرفتار ہو گیا۔ اور اورنگ زیب کے سامنے لایا گیا۔ اور اُسے ۱۶۸۹ء
میں قتل کر دیا گیا۔ اسے بھی اورنگ زیب نے اپنے لئے ایک نیک فال سمجھا
مگر وہ دراصل اُس کے خلاف ثابت ہونے والی تھی جس طرح نبرو قیصر روم
اپنی چالاکیوں۔ سفاکیوں اور ظلم و تعدی کو اپنے عروج کا باعث سمجھتا تھا
اسی طرح اورنگ زیب بھی ان باتوں کو اپنی اقبال مندی کے آثار قرار
دیتا تھا۔ لیکن جس طرح نبرو کے مظالم کے باعث ملک میں ایک انقلاب
واقع ہو کر رفتہ رفتہ زور پکڑ جانے کے باعث اُس کو بربادی کا اور قیصر
اعظوس کی خاندانی فرمانروائی کے خاتمہ کا موجب ہوا۔ اُسی طرح اورنگ
زیب کی یہ عارضی کامیابی نہ صرف اُس کی بلکہ مغلیہ خاندان کی فرمانروائی
کے مٹنے کا باعث زوال بن گئی۔

سمبھاجی کے قتل ہونے پر اُس کا بھائی راجہ رام ملک کرناٹک میں

قلعہ جنجی میں پناہ گیر ہوا۔ اور کچھ دن کے لئے ظاہری اسباب سے مرہٹوں کے زور کا خاتمہ ہوگیا۔

مرہٹوں کے معاملہ میں اورنگزیب کی غلطیاں ایک غلطی تو مرہٹوں کے مقابلہ میں اورنگ زیب نے سیواجی کے ساتھ کھائی۔ جس وقت سیواجی نے اطاعت قبول کی اور اُس کے زور طاقت پر اورنگ زیب کا زور غالب آگیا تھا۔ اُس وقت اُسے مناسب تھا۔ کہ سیواجی کو خراج گذاروں کے حلقہ میں داخل کر لیتا۔ بس سے سیواجی پر اُس کا رعب وداب قائم رہتا۔ مگر اورنگ زیب کی طبیعت کینہ ور اور انتظام پسند واقع ہوئی تھی۔ اس لئے اُس نے اُسے ہر طرح سے مٹانے کی کوشش کی۔ یہانتک کہ دہلی بلا کر قید میں بھی رکھا۔ لیکن وہ صاف نکل گیا۔ دوسری غلطی سنبھاجی کے قتل پر کھائی۔ اگر وہ چاہتا۔ تو اس وقت بھی مرہٹوں کو ہمیشہ کے لئے اپنا طرفدار بنا لیتا صرف اتنا ہی کافی تھا۔ کہ اُنہیں خراجگذاروں میں داخل کر کے دہلی چلا آتا۔ اور اس ملک میں کچھ فوج اُن کے خلاف دلانے کے لئے چھوڑ آتا۔ مگر اُس کا مزاج ایسا نہ تھا۔ اُسے تو ایک خیال خام اور ایک سودا نے اپنے قابو میں کر رکھا تھا۔ تو بحر ہند تک فتوحات کرنے کا خبط سوار تھا جسطرح پنجاب اور بنگال اُس کے زیر حکم تھے۔ اُسی طرح وہ دکن کو بھی اپنے قبضہ میں کرنے کی فکر میں مبتلا تھا۔ اس خیال کے دم میں آکر اگرچہ وہ باقی عمر مرہٹوں کی قلع قمع کرنے میں مصروف رہا۔ مگر آخر کار ناکامی ہی نصیب ہوئی۔

مرہٹوں کا خاتمہ کرنا کوئی بچوں کا کھیل نہ تھا۔ خود اورنگزیب کی طرف سے ایسی بہت سی باتیں ہوئیں جن سے اُن کے زور کو نقصان اور مرہٹوں کی طاقت کو فائدہ ہُوا۔ اول تو مغلوں میں وہ جرأت اور سخت جانی باقی نہیں رہی تھی۔ جو کہ بابر کے زمانہ میں تھی۔ دوسرے اُس نے راجپوتوں کو اپنے سے برگشتہ کر دیا تھا۔ اُن سے نہ صرف قطع تعلق ہی کر بیٹھا۔ بلکہ اُس نے اُنہیں اپنا سخت دشمن بنا لیا تھا۔ چنانچہ اُس کی

جنگی مہم ایک ڈھول سے شباہت رکھتی تھی جس کی آواز تو دور تک جاتی ہے۔ مگر اُس سے ہوتا ہواتا کچھ بھی نہیں۔ چار پشت کی آرام طلبی اور عیش پرستی سے کاہل مجہول ہو گئے تھے۔ اور مہم پر لشکر کیا جاتا تھا۔ ایک طوفان بے تمیزی جاتا تھا۔ نالکی پالکی۔ ہاتھی گھوڑے۔ جمے بازار سوداگر وغیرہ فوج کے ساتھ ہوتے تھے۔ بھلا ان چیزوں سے اور مہم سے کیا تعلق اگرچہ خود اورنگ زیب تو بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ مگر سپہ سالار اور فوج بالکل ناکارہ تھی۔ اور مثل مشہور ہے۔ کہ "اکیلا چنا بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا"۔ پس جو کچھ اورنگ زیب کرنا چاہتا تھا۔ اُس کا عشر عشیر بھی انجام کو نہیں پہنچتا تھا۔ ہندوستان میں موسمی خرابی کے باعث محاصرہ مہینوں تک جاری نہیں رہ سکتا۔ مرہٹے بڑے سخت اور جفاکش تھے۔ اول تو میدانوں کے باشندوں کے مقابلے میں کوہستانی قومیں ویسے ہی سخت ہوتی ہیں۔ دوسرے وہ جنگجو بھی تھے۔ اُن کے پاس زبردست اور اتنے پہاڑی قلعے تھے۔ کہ ایک ایک مہینوں میں سر ہوتا تھا۔ اورنگ زیب نے تو اپنی طرف سے اُن کے برباد کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ لیکن خود اس کی فوج میں کمزوری کا عنصر موجود تھا۔ اُس لئے تو برسات میں بھی فوجکشی اور محاصرہ جاری رکھا۔ اگرچہ ایک طرح پر اُس کی سخت غلطی اور اپنی طاقت کو گھٹانے کی کارروائی تھی۔ لیکن جوش طبیعت نے اُسے پس و پیش کا موقعہ نہ دیا۔

اورنگ زیب کی فوج آرام طلب تھی۔ برخلاف اس کے مرہٹے سخت جان تھے۔ اورنگ زیب کی فوج نعمہ کی دلدادہ تھی۔ برعکس اس کے مرہٹے بعض وقت صرف پیاز کھا کر رہ جاتے۔ اور لڑتے رہتے تھے۔ محاصرہ کے زمانہ میں اُن کی ٹولیاں آس پاس کا ملک بالکل برباد کر ڈالتی تھیں۔ تاکہ اورنگ زیب کی فوج کو رسد نہ مل سکے ۱۷۰۰ء میں سمبھاجی کا بیٹا مغلوں نے گرفتار کر کے قتل کر دیا اس کے بعد تارا بائی بیوہ ملکہ ریجینٹ کے منصب پر مقرر ہوئی۔ مگر اس واقعہ سے مرہٹوں کے

تیور پر بل بھی نہ پڑا۔ اُن میں ایک قسم کا غیر مغلوب جوش پھیل گیا۔ اُن کے دم خم بدستور قائم رہے۔ بلکہ میدانِ جنگ میں وہ پہلے کی نسبت اس وقت اور دو ہاتھ آگے ہی بڑھے ہوئے نظر آئے۔ اورنگزیب کی بیس سال کی مسلسل محنت و کوشش جانفشانی اور جگر کاری کا کوئی امید افزا نتیجہ نہ نکلا۔ مرہٹے نہ دبے پر نہ دبے اور اُلٹے یہاں تک زور پکڑ گئے کہ اورنگ زیب کے لشکر پر چھاپے مارنے لگے۔ اور جو کچھ ہاتھ لگتا تھا۔ لے جاتے تھے

اورنگزیب کے آخری ایام اورنگزیب اُس عمر کو پہنچ گیا تھا جس میں قدرتی طور پر انسان کے قوائے منضمحل اور کمزور ہو جاتے ہیں اُس پر ضعف غالب آگیا تھا۔ اور وہ زیادہ محنت و جانفشانی برداشت نہیں کر سکتا تھا اُسے اب ہر طرف سے اور ہر کام میں مایوسی ہی نصیب ہوتی تھی۔ جس کے باعث اُس کی ہمت ٹوٹتی جاتی تھی۔

جب اُس کا بہرام پور کے مقام پر پڑا ہوا تھا۔ اور وہ مزید مہم کی فکر میں سراپا غرق تھا۔ تو دریائے بیما میں سیلاب آگیا۔ جو لشکر کو بہا لے گیا اور ۱۲ ہزار جانیں تلف ہو گئیں۔ پارلی کے محاصرہ میں بھی اُس پر اسی طرح کی ناگہانی آفت ٹوٹی۔ طغیانی کے باعث فوج کی نقل و حرکت بند رہی رسد نہ مل سکی جس کے باعث بہت سے آدمی اور مویشی مر گئے۔ گرمی زوروں پر تھی اور تمازتِ آفتاب کے باعث لاتعداد جانیں ضائع ہوئیں ساتھ ہی قحط اور وبا آموجود ہوئیں جس سے اُس کے مان مارے گئے۔

اگرچہ اورنگزیب کو مایوسیوں نے گھیر لیا تھا۔ لیکن وہ محنت کرنے سے باز نہ آیا۔ ہارے جواری کی طرح اُس کی لو بڑھتی ہی گئی۔ اُسکا ایک دم اور ہزاروں فکریں کیا کرتا۔ خود ہی مہم جاری کرتا۔ خود ہی احکام جاری کرتا۔ حملہ کا سرغنہ بنتا۔ بہت سے محاصرے اپنے زیرِ نگرانی کرائے ستارہ کے محاصرے میں ایک اور ناگہانی آفت ٹوٹی ۱۶۹۹ء میں جبکہ وہ ستارہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور قلعہ اڑانے کے لئے سرنگ میں بارود بچھائی جا رہی تھی۔ سرنگ اُڑ گئی اور بہت سی فوج ہلاک ہو گئی مگر ابھی تک اورنگزیب

کے استقلال میں سرمو فرق نہ آیا مثل مشہور ہے۔ کہ آفت تنہا نہیں آتی ہے چنانچہ اس وقت آگرہ میں بھی شورش برپا ہوگئی۔ اورنگ زیب پر وقت فکروں کی بھرمار ہوگئی تھی۔ ادھر تو وہ دکن کو مغلوب کرنے پر ڈٹا ہوا رہتا تھا۔ اور ادھر ملک میں جابجا شورش برپا ہوتی جاتی تھی۔ وہ آگرہ اور افغانستان کے لئے بھی احکام جاری کرتا رہا۔ اور اُسے قندھار پر بھی قبضہ کرنے کی دھن لگی رہی

اس وقت معظم سات سال قید رہنے کے بعد قیدخانہ سے نکال کر قندھار کا حاکم بنایا گیا۔ اعظم کو گجرات کا صوبہ سپرد کر دیا گیا۔ اورنگ زیب کا چھوٹا بیٹا کام بخش جو جودہ بائی کے بطن سے پیدا تھا اُسپر اورنگ زیب کو شبہ تھا مگر اس وقت اُسے بھی معافی دے دی گئی جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُسکی عقل میں فتور آگیا تھا۔ ورنہ اُس سے اس قسم کی امید کسی طرح بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ اپنی عمر بھر میں اُس سے اس قسم کا کوئی فعل صادر نہ ہوا تھا۔

آخری وقت میں اُس کے حواس اور اُس کی عقل بھی اُسے جواب دے گئے۔ اور اُس پر اصل حقیقت کا اظہار ہونے لگا تھا۔ کہ فی الواقع وہ کون تھا اور اُسے کیا کیا کرنا چاہئے تھا۔ اور کیا کیا نہیں اُسے اپنے رشتہ داروں کی جو آڑے وقت میں اُس کے کام آتے مدد کا بڑا قلق رہتا تھا۔ اُس کی بے اعتباری پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔ سپہ سالاروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرنے لگا۔ اُن پر جاسوس مقرر کر دیئے۔ اپنے باپ کی حالت اُسے ہر وقت یاد آتی تھی

آخرش وہ دنیا کے افکار و آلام سے مغلوب ہوکر تنہائی میں رہنے لگا پایہ تخت سے مسلسل غیر حاضری کے باعث رعایا پر سے اُسکا دبدبہ اُٹھ گیا اور اُس کی متواتر زکوں اور ناکامیوں کی شہرت نے اُن کے دلوں کو اُس سے باغی ہوجانے پر ابھارا۔ اور ملک کے شمالی حصہ میں بغاوتیں اور ہنگامے برپا ہونے لگے۔ مرہٹے جن سے دکھن میں مقابلہ درپیش تھا۔ اُس پر غالب آتے جاتے تھے۔ سکھوں نے ملتان میں سرکشی کی۔ اور جاٹوں نے آگرہ میں سر

لوٹھایا۔ رہے راجپوت سو وہ کھلم کھلا کھل گئے۔ اور بغاوت کردی۔ مغل فوج کسی قابل نہ رہی تھی۔ اُسے خود اپنی جان کے لالے پڑ رہے تھے۔ اور متواتر ناکامیوں کے باعث اُس سکت باقی نہ رہی تھی۔ اورنگزیب کی مالی حالت بھی ابتر ہے۔ آخرکار لاچار ہوکر اورنگزیب اپنی باقی ماندہ تھکی تھکائی فوج احمدنگر کو لے گیا۔ جہاں سے بیس سال پہلے اُس نے دکھن پر بڑے کروفر زور طاقت اور شان و شوکت کے ساتھ حملہ کیا تھا۔

اُس کی موت نزدیک آتی جاتی تھی۔ اُسے اپنے بیٹوں کو دور ہی رکھا کہ شاید اُسے شاہجہان کی سی حالت کا منہ دیکھنا پڑے۔ اُسے اُس کے جرم و گناہ یاد آ آکر نادم بناتے تھے۔ اُس کا ضمیر اُسے طرح طرح کے طعنے دیتا۔ اور دریائے ندامت میں نہلاتے تھے۔ اُس نے جو خط اپنے بیٹوں کو اس حالت میں لکھے ہیں۔ اُن سے اُس کے دلی افسوس کا خوب ہی اظہار ہوتا ہے بنام اعظم بنام اعظم سلامت رہو۔ میں ضعیف و کمزور ہوں۔ اعضا ساتھ نہیں دیتے۔ جب میں پیدا ہوا تھا۔ تو بہت سے لوگ میرے اردگرد پائے جاتے تھے۔ اب میں تنہا جاتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں۔ کہ میں کیوں اور کس لئے دنیا میں آیا تھا۔ مجھے اُس وقت کا افسوس ہے۔ جس میں خدا کو بھولا رہا۔ میری عمر بیکار گئی۔ خدا میرے دل میں تھا۔ مگر میری اندھی آنکھوں نے اُس کا نور نہ دیکھا۔ زندگی فانی ہے۔" اور گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔" مجھے آئندہ اپنی زندگی کی کوئی توقع نہیں رہی۔ بخار جاتا رہا ہے۔ صرف ہڈیاں اور پوست باقی رہ گیا ہے۔ جس طرح میں بیدل بے یار اور پریشان خاطر ہوں اُسی طرح فوج بھی ہے۔ خدا سے جدا رہ کر دل کو راحت و آرام نہیں ملتا فوج کو معلوم نہیں۔ کہ اُن کا بادشاہ ہے بھی یا نہیں۔ میں دنیا میں اپنے ساتھ کچھ نہ لایا تھا۔ مگر اب گناہوں کا بوجھ اپنے ہمراہ لئے جاتا ہوں نہ معلوم عقبےٰ میں کیا کیا سزائیں ملیں گی۔ اگرچہ میں خدا کی مہربانی اور رحم پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ لیکن مجھے اپنے گناہوں پر سخت افسوس ہے۔ جب مجھے اپنی ہی امید نہ رہی۔ تو دوسروں پر کیا امید کر سکتا ہوں۔ ہرچہ بادا باد

ماکشتی در آب انداختیم ۔ ۔ ۔ ۔ خدا حافظ الوداع !"

بنام کام بخش بنام کام بخش ۔ عزیز از جان ۔ ۔ ۔ ۔ اب میں جاتا ہوں ۔ مجھے تمہاری بیکسی پر افسوس ہے ۔ لیکن اس سے کیا نفع نکلتا ہے ۔ ہر تکلیف جو میں نے لوگوں کو دی ۔ ہر گناہ جو میں نے کیا ۔ ہر غلطی جو مجھ سے صادر ہوئی اس کا بار اور نتیجہ میں اپنے ساتھ لئے جاتا ہوں تعجب ہے ۔ کہ پیدا ہوتے وقت میں کچھ ساتھ نہ لایا تھا ۔ مگر اب گناہوں کا ایک قافلہ میرے ساتھ جاتا ہے ۔ جدھر نگاہ جاتی ہے ۔ خدا نظر آتا ہے ۔ میں نے بڑے بڑے گناہ کئے ہیں اور نہ معلوم اُن کے عوض کیا کیا اور کیسے کیسے عذاب و عتاب مجھ پر ہونگے مسلمانوں کو اب قتل نہ ہونے دو تاکہ میرے سر زیادہ ندامت نہ رہے میں تمہیں اور تمہارے بیٹوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور الوداع کہتا ہوں میری روح سخت مضطرب و بیقرار ہے ۔ تمہاری ماں اودھوری نے میرا ساتھ دیا الوداع ! سلامت رہو"

اورنگ زیب کی وفات آخرش موت نے اورنگ زیب کو آدبایا ۔ اُس نے اُس نے ۴ مارچ سنہ ۱۷۰۷ء میں اپنے پچاسویں سال حکومت میں اور ۸۸ سال کی عمر میں صبح کی نماز کے بعد انتقال کیا مرتے دم کلمہ اُس کی زبان پر جاری تھا اور اُسے دولت آباد کے قریب دفن کیا گیا

اُس کی ناکامی جن مسلمان مؤرخوں نے اُس کی نسبت یہ رائے قائم کی ہے کہ وہ ریاضت نفس کشی ۔ انصاف پروری برداشت مصائب جفاکشی عقل و دانش اور ہمت استقلال میں اپنا نظیر آپ تھا ۔ اُنہوں نے ہی یہ بھی رائے قائم کی ہے کہ " اُس کی ہر تجویز بیکار گئی ۔ اور ہر مہم ناکام رہی"

ذاتی اوصاف اورنگ زیب عقیل اور دانشمند اور جفاکش اور محنتی تھا ۔ ہمت و استقلال میں بے شک اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا ۔ اُسے ریاضت و زہد و تقوے کا بھی شوق تھا ۔ لیکن اُس کی یہ باتیں حقیقت سے بالکل خالی نہیں ۔ انصاف پروری اُسے چھو بھی نہیں گئی تھی ۔ اور اُس کی زندگی کے حالات انصاف کشی کا موقع ہے ۔ وہ سخت متعصب تھا جبکے زدم ہیل کر

اُس نے بڑی بڑی نادانیاں اور مظالم کئے تے

اُس کی زندگی سے کیا کیا سبق حاصل ہوتے ہیں ۔ اورنگ زیب کی زندگی کے جس پہلو کو لیا جائے ۔ وہ ایسا ہے ۔ کہ کسی شخص کو اُسے اپنی زندگی کا شعار اور دستور العمل نہیں بنانا چاہئے ۔ اور مشاہیر کی زندگی کے پہلوؤں کی مانند اُس کی زندگی کے تمام پہلو ماسوائے ایک کے بالکل تاریک اور بربادی میں ڈالنے والے ہیں ۔ صرف ایک یہ سبق اُس کی زندگی سے ملتا ہے کہ ہمت اور استقلال میں ہر فرد و بشر کو اُس کی مانند بننے کی کوشش کرنی چاہئے ۔

آخری رائے ۔ جسکا نام انصاف عدل اور رعایا پروری ہے اُس کا تو اورنگ زیب سخت دشمن تھا ۔ فتوحات ملکی اور رموز سلطنت نے اُس کو کبھی جائز نہیں رکھا ۔ کہ کس کا گھر جلا دو یا کسی کو خواہ مخواہ قتل کر دیا ۔ کسی کے معابد ڈھا دیئے جائیں ۔ کسی پر ظلم کیا جائے ۔ کسی کا اعتبار نہ کیا جائے ۔ لیکن اورنگزیب نے ان تمام ناجائز باتوں کو جائز کر دکھایا

جو لوگ اُسے خدا پرست بتاتے ہیں ۔ وہ غلطی پر ہیں ۔ خدا پرستی اسکا نام نہیں ۔ کہ ہم ظاہر میں کچھ اور کریں اور باطن میں کچھ اور بلکہ ہمارا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہئے ۔ ہماری خدا پرستی سے خلوص اور بے ریائی بھی ٹپکتی ہو

اُس کے ظالم جابر ۔ بد عہد ۔ شکی ۔ سفاک ۔ قاتل ۔ ریاکار اور متعصب ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ اُس کی زندگی کے حالات زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں

جو لوگ ہٹ دھرمی سے اُس کے سارے ناجائز کاموں کو جائز بتا کر اُسے معدوم و حق پرست اور انصاف پرور اور دیندار ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اُن کے دعوے کی تردید کے لئے اُس کی زندگی کے مختلف واقعات کے علاوہ وہ دو خط موجود ہیں ۔ جو اُس نے موت سے پہلے اپنے بیٹوں اعظم اور کام بخش کو لکھے تے

یہ خط گویا اُس کی دستاویز ہیں - اور اُس کے جھوٹے طرفداروں کی ناجائز
بیجا طرفداری کا کافی و شافی جواب ہیں۔

ان خطوں میں اورنگزیب اپنے کئے پر نادم و پشیمان نظر آتا ہے - اُسے
اپنے افعال کا سخت افسوس تھا - اُس کا ضمیر خود اُسے طعنے دیتا تھا - اور یہ
سچ بھی ہے کہ جب ہم کوئی برا یا ناجائز کام کرتے یا کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں
تو سب سے پہلے خود ہمارا ضمیر ہمیں چشم نمائی کرتا اور ٹوکتا ہے وہ ہمیں سرزنش
کرتا ہے کہ ہم سو جھوٹوں کے جھوٹے ہزار ریاکاروں کے ریاکار لاکھ ٹھگوں کے ٹھگ
اور کروڑ ظالموں کے ظالم ہیں ضمیر کی اس سرزنش سے اورنگزیب نہ بچ سکا

اُسے اپنی عمر بھر اطمینان قلب اور سکون خاطر نصیب نہ ہوا - اور ہوتا تو کیسے - پہلے
انسان خود صلح میں قائم ہو - تب دوسروں کو صلح کی طرف مائل کر سکتا
ہے - صلح دوست آدمی سب چیزوں سے بھلائی کر سکتا ہے جو صلح جو ہے وہ کسی
کے بدگمان نہیں مگر حریص اور غیر قانع (جیسا اورنگزیب کے خاص اوصاف ہیں) ہمیشہ بے
قرار رہتا اور طرح طرح کی بدگمانیوں سے ستایا جاتا ہے وہ نہ تو خود چین سے بیٹھتا
اور نہ دوسروں کو چین لینے دیتا ہے وہ ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے جو مناسب
نہیں مگر جو کام اُس کے لئے زیادہ واجب ہوتے ہیں اُنھیں کرنا بھول جاتا
ہے - بعض ایسے لوگ ہیں کہ نہ خود امن سے رہتے ہیں اور نہ اوروں کو رہنے دیتے
ہیں - وہ جس قدر اوروں کو دق کرتے ہیں - اُس سے زیادہ خود دق ہوتے ہیں
اورنگزیب بجنسہ اسی کی مصداق تھا -

اطمینان قلب اور سکون خاطر صلح جو ہونے اور عوام کی خیرخواہی کرتے اور
ضمیر کی سرزنش سے بچنے میں حاصل ہوتا ہے اس لئے انسان کو اپنے دل
سے بیجا خواہشوں کو باہر کر دینا واجب ہے - اگر اُس کی بیجا خواہش پوری
ہو بھی جائے - تاہم اُس کے ضمیر کی ملامت اُسے بے چین کئے رہتی ہے
اس لئے کہ اُس نے ایک ایسی خواہش کی پیروی کی کہ جس سے اُسے مطلوبہ
چین ملنا ناممکن تھا - افسوس کہ اورنگزیب نے کبھی اپنا امتحان نہیں لیا اور
نہ اپنی جانچ کی - ورنہ اُسے معلوم ہو جاتا - کہ اُس کے اقوال - افعال

اور خیال سے لوگوں کو کیا کیا نقصان پہنچے۔ اور اُس نے خدا کا کیا گناہ کیا
جب کتے کی محبت جوش میں آتی ہے۔ تو وہ اپنے آقا کے گرد اُچھلنے
اور کودنے لگتا ہے۔ لیکن اگر آقا چاہے۔ تو اُسے ایک جھڑکی
میں بٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کی بُری خواہش اُس کے
دل میں اوبھرنے لگے۔ تو وہ اُسے جھڑکیاں دیکر دبا سکتا ہے۔
لیکن اورنگزیب سے اپنی دلی خواہش پر جو ہر طرح بیجا اور ناجائز تھی۔
غالب نہ آیا گیا

اورنگزیب کا ظاہر و باطن یکساں نہ تھا وہ اُس شخص کی مانند تھا
جس کے ہاتھ صاف اور دل میلا ہوتا ہے۔ سانپ باہر سے چکنا
چپڑا اور خوش رنگ ہوتا ہے۔ مگر باطن میں قاتل زہر بھرا ہوا۔

ہم آخری رائے کو ذیل کے قصہ پر ختم کرتے ہیں۔ کسی زمانہ میں ایک
ملک میں ایک ضعیف عورت رہتی تھی اُس کے ایک ہی بیٹا تھا۔ اتفاق
سے بیٹا سخت بیمار ہوگیا۔ طبیب نے تجویز کیا۔ کہ اگر اس کو انگور کھلائے جائیں
تو تندرست ہوجائیگا۔ بڑھیا نے چرخہ کات کر پانچ روپے جمع کئے تھے
وہ اُنہیں لے کر بازار گئی۔ مگر انگور نہ ملے۔ ایک شخص نے اُس سے کہا
کہ انگور شاہی باغ میں ملیں گے۔ وہ وہاں پہنچی۔ اور پانچ روپیہ باغبان
کی نذر کئے۔ باغبان نے اُسے بُرا بھلا کہ کر باغ سے نکال دیا۔ وہ
سمجھی انگوروں کی قیمت زیادہ ہے۔ اس لئے باغبان نے نہیں دیئے۔ گھر
پہنچکر اُس نے اپنے اوڑھنے بچھانے کے کپڑے اور برتن پانچ روپے
میں فروخت کر دیئے۔ اور دس روپے لیکر باغبان کے پاس گئی۔ مگر
اُس پر پہلے سے بھی زیادہ ناراض ہوا۔ اور چلا کر سخت و سست کہنے لگا
اور دھکے دیتا ہوا باغ کے دروازے کے باہر لے گیا۔ مگر اُسی وقت اتفاق
سے بادشاہ کی بیٹی وہاں جا پہنچی اُس نے سارا ماجرا سنکر بڑھیا پر رحم
کھایا۔ اور بہت سے انگور توڑکر اُسے دیئے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ کہ
یہ باغ میرے باپ کا ہے۔ جو اس ملک کا بادشاہ ہے۔ وہ تجارت نہیں

کرتا۔ اس لئے باغبان نے تجھے جبر کیا گیاں دی تھیں؟ اسی طرح خدا بھی سوداگر نہیں ہے وہ نیت کا پھل دیتا ہے۔ جیسے بادشاہ کے باغ میں ایک باغبان تھا۔ ویسے ہی ان کا ضمیر ہوتا ہے۔ اس لئے جب ہم کوئی برا فعل کرتے یا کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ تو ضمیر ہمیں سرزنش کرتا ہے۔ مگر ضمیر کی سرزنش کو اورنگ زیب نے ایک ہوا سمجھا۔ جو ایک طرف سے آتی اور دوسری طرف کو چلی جاتی ہے اور خدا کو اُس نے ایک تاجر سمجھا۔ جو نیت سے غرض نہیں رکھتا۔

تمام شد

IMPERIAL LIBRARY.

عجیب کتب

رسالہ علاج چشم:۔ اس میں آنکھوں کی تمام تشریح معہ کل امراض اور آنکھوں کے بنانے کا حال معہ علاج درج ہے قیمت لہر

ہومیوپیتھک طبیب ۔ یعنی ہومیوپیتھک ڈاکٹر یا ہومیوپیتھک مٹریا میڈیکا ہر ایک قسم کی بیماری کا علاج بطریق ہومیوپیتھک و ہومیوپیتھک ادویات کی تشریح قیمت عہر

چاٹ فارمہ کوپیا ۔ جو کہ تمام سرکاری شفاخانوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ قیمت سادہ ۸ر روغنی ڈنڈے دار ۶ ر

علاج مارگزیدہ ۔ سانپوں کی پہچان اور انکا علاج یہ کتاب ایک بنگالی صاحب کی تصنیف کا قابل دید ترجمہ ہے قیمت لہر

جلائے برقی ۔ ٹھنڈا اور گرم ملمع کرنا کچا پکا اور نہایت عمدہ گلٹ اور دھاتوں کا پانی بنانا سونا چاندی ۔ تانبا اور لوہا وغیرہ جست میگنیشیم وغیرہ دھاتوں کے عجیب غریب اعمال اور نئی ایجادیں درج ہیں قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے

علاج بذریعہ پانی ۔ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ سب سے اعلیٰ ہو اس کتاب میں حسب قوت گرم یا سرد پانی ۔ کے استعمال سے ہی تمام قسم کی بیماریوں کا علاج کیا گیا ہے یہ قابل قدر کتاب ہر ایک گھر میں رہنے لائق ہے اس کو بہت جلد طلب فرما دیں قیمت صرف لہر

ہر قسم کے معجون ۔ گلقند لعوق ۔ خمیرہ جوارش وغیرہ بنانے کا مکمل رسالہ قیمت فی جلد صرف آٹھ آنے ۸ر

باورچی ۔ اس میں اہل اسلام کے طریق پر جملہ اقسام کے کھانے پکانے بتلائے گئے ہیں قیمت صرف عہر

معلم علم دنداں سازی ۔ دانتوں کے ہر قسم کے امراض اور نسخہ جات ۔ نقلی دانت بنانا معہ تصاویر آلات درج ہیں قیمت صرف لہر

خانساماں ۔ اس کتاب میں انگریزی طریق پر جملہ اقسام کے کھانے پکانے کی ترکیبیں درج کی گئی ہیں ۔ یہ کہ کری ایک ہے قیمت صرف عہ ر

علاج الاطفال ۔ بچوں کی پرورش کے متعلق نہایت ہی ضرور اور کارآمد ہدایات اور ان کی تمام بیماریوں کی ماہیت اور علاج درج ہے قیمت صرف لہر

المشتہر حکیم رام کشن مالک کارخانہ جڑی بوٹی پنجاب شاہ عالمی دروازہ لاہور

انمول موتی

خضاب معروف به زینت شباب اس میں خضاب کے بہت سے نسخے جنکی پبلک کو ضرورت ہے درج کئے گئے ہیں علاوہ یونانی نسخوں کے انگریزی خضابوں کے نسخہ بھی اس میں درج ہیں قیمت ۱۴ھ؍

آئینہ تماشبینی - یہ ناول نہیں خراباتیوں کا نتیجہ اور عشق دریا کا فوٹو نصیحتوں کا خزانہ ہے قیمت صرف لعہ؍

رسالہ شطرنج - اس میں شطرنج کھیلنے کے طریقے معہ تمام نقشجات کے درج کئے گئے ہیں قیمت صرف آٹھ آنے ۸؍

آئینہ تشخیص امراض اسمیں نبض و قارورہ کے دیکھنے کا حال تشریح وار درج ہے قیمت صرف ۱۲؍

رسالہ بواسیر اسمیں ویدک و انگریزی و ہومیوپیتھک و یونانی چاروں طریق پر اس مرض کا علاج اور تشریح کی ہے قیمت لعہ؍

علم کیمیا ویدک - یہ علم کیمیا کے متعلق ایک کتاب تیار کی گئی ہے جسمیں سونا اور چاندی تانبا اور رانگا وغیرہ دھاتوں کا حال اور انکا بنانا درج ہے قیمت ۱۲؍

بیکری و کنفکشنری - اس کتاب میں جملہ اقسام کی ڈبل روٹیاں اور عمدہ بسکٹ اور انگریزی ہر قسم کی مٹھائیاں وغیرہ وغیرہ بنانے کا بیان اور تمام عمدہ ترکیبیں درج ہیں قیمت فی جلد دو روپے (عہ)

حلوائی - اس میں ہر قسم کی مٹھائیاں بنانے کا طریقہ درج ہے قیمت عہ؍

رنگریز اس میں انگریزی اور دیسی طریق سے سوت اور کپاس روئی - اون مرینہ ریشم - سن وغیرہ ہر قسم کے کپڑے کے رنگ رنگنا درج ہے قیمت بارہ آنے (۱۲؍)

رہبر زندگانی - اس میں شوہر اور زوجہ کے باہمی برتاؤ اور حقوق بیان کئے گئے ہیں دھرم شاستر کی کتاب ہے قیمت لعہ؍

گربھادان ودھی - اس میں لڑکا لڑکی پیدا ہونے کی تدبیر امتحان حمل حفاظت حمل وقت تولید دو برس تک بچہ کی پرورش کے قواعد درج ہیں قیمت بحروف اردو ۲؍ اور بحروف گورمکھی ۲؍

رسالہ سل دق - دونوں موذی امراض سے بچنے کے لئے یونانی ڈاکٹری اور ویدک ہومیوپیتھک بالحرکت پانچ طریق سے معالجہ بیان کیا گیا ہے قیمت صرف لعہ؍

(37)

مشتہر حکیم رام کشن مالک کارخانہ جڑی بوٹی پنجاب شاہ عالمی دروازہ لاہور